تصویرِ کائنات میں رنگ

اسلام میں عورت کا مقام



ڈاکٹر ذاکر نائیک ... عطا تراب

یکی بامداداں بہ فصل بہار — جوانی بہ باغی فتادش گذار
بشاخی گلی دید خوشرنگ و بو — کہ از جان و دل گشت مشتاقِ او
گلویش بیفشرد و کردش جدا — ز گلھای دیگر بہ جور و جفا
چوآں گل جداشد ز شاخِ درخت — بیفتاد در دستِ آں تیرہ بخت
بگرد از طریقِ تحسّر نگاہ — بہ یاران و از دل بر آورد آہ
بگفتا کہ ای خواہرانِ عزیز — برای شما ہست ایں روز نیز
گزارید آرایشِ خود کنار — بگیرید در زیرِ برگی قرار
نمائید خود را از ایں دم نہاں — کہ مانید ایمن ز غارتگراں

خوشدل تہرانی

تھی فصلِ بہاراں کی کوئی سحر — چمن سے ہوا اِک جواں کا گزر
کِھلا اس نے دیکھا گلِ خوشنما — نظر سے گذر کر جو دل میں چُبھا
سرِ گل کو اس نے تنِ شاخ سے — جدا کر دیا دستِ گستاخ سے
اُجڑ ہی گیا جو تھا شبنم نصیب — صلیبِ ہوس پر وہ گل غم نصیب
سو حسرت سے کلیوں پہ کر کے نگاہ — وہ رو رو کے آنسو تو بھر بھر کے آہ
یہ کہنے لگا اے مری ساتھیو! — دعا ہے تمہارا نہ یہ حال ہو
خدارا نمائش کو تم چھوڑ کے — رہو برگِ سرسبز کو اوڑھ کے
ہوس کی نگاہوں سے پنہاں رہو — ہمیشہ سلامت مری جاں رہو

عطا تراب

حُسنِ ترتیب

عرضِ مترجم

اعتدالِ معانی از من پرس
کہ مزاجِ سخن شناختہ ام
اعتدالِ معانی مجھ سے پوچھ
کہ مزاجِ سخن سے واقف ہوں

یہ شعر میرا ہے نہ یہ دعویٰ۔ اردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبان و ادب کا طالب علم ہونے کے ناتے میں لفظ و معنیٰ کے بیچ تعلق اور زبان و بیان کی نزاکتوں اور لطافتوں سے کسی حد تک آگاہ ہوں۔ اس پر مستزاد یہ کہ علومِ عقلی و نقلی کے چمنستاں کا خوشہ چیں ہونے کی حیثیت سے اصطلاحات کی لفظی اور معنوی رعایتوں کی اہمیت سے بھی واقف ہوں۔ لہٰذا دریں صورت کسی بھی علمی مواد کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کا عمل مجھ سے قدرے بیشتر توجہ اور دقت کا متقاضی ہے۔

انہی تقاضوں کو نبھانے کی خاطر خاکسار نے دقتِ نظر سے کام لیتے ہوئے اس ترجمے کو نقائص اور خامیوں سے پاک رکھنے کی ہر ممکن سعی کی ہے لیکن خطا اور نسیان انسان کی ترکیب میں شامل ہے اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ کسی سرزد کوتاہی سے صرفِ نظر نہ فرمائیے گا بلکہ آگاہ فرما کر کتاب کے آئندہ ایڈیشن کی بہتری میں اپنی معاونت سے سرفراز فرمائیے۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر صاحبُ الرائے صائبُ الرائے بھی ہو لیکن اس کی رائے کا احترام اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہ مسئلے کے گوناگوں پہلوؤں کی تفہیم اور صحیح رائے کی تشکیل میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ پس خاکسار کا مصنف اور حواشی میں مذکور آراء سے اتفاق کرنا ضروری نہیں، احترام کرنا ضروری ہے۔

ے رَدِّ سخن کے باب میں دو چند چاہیے
لازم جو احتیاط قبولِ سخن میں ہے

میں پبلشنگ اور کمپوزنگ کے لیے بالترتیب ارشد ملک اور ندیم صدیقی کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ چونکہ یہ ترجمہ ماہِ محرم الحرام میں مکمل ہوا ہے اس لیے آخر میں حسنِ اختتام کے طور پر امامِ عالی مقام حضرت امام حسین علیہ السلام سے اظہارِ عقیدت کے طور پر اپنے دو شعر پیش کر رہا ہوں۔

ے مجھے طہارتِ چشمِ عزا پہ رشک آئے
حسینؑ لب پہ تھا لب چومنے کو اشک آئے

ے حسینؑ آپ کی مظلومیت پہ روتا ہوں
یزید دیکھا ہے منبر پہ میں نے مجلس میں

خاکسار
عطا تراب
۱۵ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
ATATURAB@YAHOO.COM

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

پیش گفتار

جیسا کہ آپ جانتے ہیں ہمارا موضوعِ سخن ہے " اسلام میں خواتین کے حقوق۔ جدت پذیر (Modernising) یا فرسودہ (Outdated)؟

عام طور پر "Modernizing" سے مراد ایسی چیز لی جاتی ہے جو قدیم اور کہنہ نہ ہو لیکن ہمارے موضوع کے سیاق و سباق میں اس سے مراد چودہ صدیاں پیشتر اسلام کے بیان کردہ حقوقِ نسواں کا آج بھی برمحل اور موزوں ہونا ہے۔

معاشرے میں عورت کے مقام پر صدیوں سے بحث کی جارہی ہے لیکن ماضی قریب میں اس بحث نے چند خاص موضوعات کی بابت قدرے تشویشناک صورتحال اختیار کرلی ہے۔ طلاق، تعدد ازدواج اور سیاسی و معاشرتی امور و معاملات میں مسلم خواتین کی شرکت، ایسے موضوعات ہیں جن پر آئے دن میڈیا پر بحث کی جاتی ہے کچھ پیچیدگیاں ضرور ہوں گی لیکن ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کچھ مسائل کو میڈیا ضرورت سے زیادہ ہوا دے رہا ہے۔

بے شک آج کی مغربی عورت نے دو صدیوں سے زائد عرصے پر محیط کربناک جدوجہد کے بعد، سماجی، معاشی، قانونی اور سیاسی حقوق حاصل کر لئے ہیں لیکن دوستو! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس ساری جدوجہد اور اس سارے عمل کے دوران مغربی عورت اپنا سب کچھ گنوا بیٹھی ہے۔

وہ ہار چکی ہے۔ اگر آپ مغربی معاشرے کا بنظرِ غائر مشاہدہ کریں تو آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ وہ اپنی گھریلو زندگی سے ہاتھ دھو چکی ہے وہ ذہنی آسودگی سے محروم ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی توقیر اور اپنی نسوانیت گم کر چکی ہے۔

اس کے برعکس اسلام نے چودہ صدیاں پیشتر اس وقت عورت کو ان گنت حقوق سے نوازا ہے جب معاصر تہذیبیں اس سوچ بچار میں مصروف تھیں کہ عورت انسان بھی ہے یا نہیں۔

اب ہمیں ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ غیر جانبدار ہو کر معروضی انداز میں یہ جائزہ لینا ہے کہ اسلام کے عورتوں کو عطا کردہ حقوق آج بھی کافی، موزوں اور ہم آہنگ ہیں یا نہیں۔

خوش قسمتی سے مشہور دانشور جناب ڈاکٹر ذاکر نائک اس موضوع کا جامعیت کے ساتھ تجزیہ کریں گے لہٰذا میرے لئے ضروری نہیں کہ میں عورتوں کے حقوق سے متعلق تمام قرآنی آیات اور پیغمبرؐ اسلام کی روایات پیش کروں۔

تاہم میں اسلام میں عورت کی باوقار اور مکرم حیثیت کے اظہار کے لئے دو آیات کا حوالہ ضرور دوں گا۔

سورہ بقرہ میں ارشاد خداوندی ہے:

(ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف ص وللرجال عليهن درجة)

''اور عورتوں کو بھی دستور کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں البتہ مردوں کو عورتوں پر درجہ حاصل ہے''[1] (سورہ بقرہ ۲۲۸)

میں چاہتا ہوں کہ اس آیت کا ایک ایک لفظ اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے

۱۔ عورت کو دستور کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں البتہ انتظامی اُمور میں مردوں کو عورتوں پر درجہ حاصل ہے۔ نان و نفقہ اور تحفظ مرد کے ذمے ہے، طلاق کا حق مرد کے پاس ہے لیکن اگر عورت مرد کو پسند نہ کرتی ہو اور اس سے متنفر ہو تو معاوضہ دے کر طلاق حاصل کر سکتی ہے اسے شرعی اصطلاح میں ''خلع'' کہتے ہیں۔

کیونکہ اس آیت میں بیّن اور دو ٹوک انداز میں بیان کیا جا رہا ہے کہ عورتوں اور مردوں کے ایک دوسرے پر مساوی حقوق ہیں اور قرآن میں اس تقسیم کی کسی اور مقام پر نفی نہیں کی گئی البتہ یہی آیہ کریمہ مزید بیان فرماتی ہے کہ ''مردوں کو عورتوں پر ایک ''درجہ'' حاصل ہے۔'' انتہائی اہمیت کے حامل یہ الفاظ ہم سے خاص توجہ اور احتیاط کے طالب ہیں کیونکہ یہاں بہت سے لوگ اشتباہ کا شکار ہوئے ہیں حتیٰ کہ بعض مفسرین بھی ان الفاظ سے مفہوم اخذ کرنے میں چوک گئے ہیں۔

سب سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ ان الفاظ کو فریقین یعنی مرد و زن کے حقوق سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم اس آیت میں ملاحظہ کر چکے ہیں کہ دونوں کے ایک دوسرے پر برابر حقوق ہیں ہمیں ''مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے'' کی کماحقہ قدردانی اور صحیح ترجمانی کے لئے سورہ نساء کی چونتیسویں آیت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

(الرجال قوامون على النسآء بما فضل الله بعضهم على بعض وبمآ انفقوا من اموالهم)

''مرد عورتوں کے نگہبان ہیں، اس بناء پر کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور یہ کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔''[1] (سورہ نساء: ۳۴)

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ عورت صنف نازک ہے اور بعض مسائل میں خصوصی نگہداری اور تحفظ کی متقاضی ہے اور بشریات (علم الانسان) کی رو سے مرد عورت سے مختلف، زیادہ طاقتور اور مضبوط واقع ہوا ہے جو کہ ایک حیاتیاتی

۱۔ قوّمون: کسی چیز کی حفاظت اور مراعات کے معنوں میں ہے (المفردات)۔ مرد عورتوں کے محافظ اور نگہبان ہیں یعنی عائلی نظام میں مرد کو قیم اور ستون کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت محکوم ہے اور اس سے ہر قسم کا استقلال اور خودمختاری سلب ہو جاتی ہے بلکہ عورت اپنے انفرادی اُمور میں خود فیصلہ کرنے کا مکمل حق رکھتی ہے۔ بقرہ: (۲۳۴) مرد اجتماعی معاملات میں عورت سے مشورہ لے سکتا ہے۔ (بقرہ: ۲۳۳)۔ عورتوں کے لیے اپنی کمائی کا صلہ ہے۔ (نساء: ۳۲)

حقیقت بھی ہے اس میں شک نہیں کہ مرد کی یہ برتری قدرت کی عطا کردہ ہے۔ اس میں مرد کا کوئی کمال یا عورت کا کوئی نقص نہیں ہے[1] بلکہ مرد کو یہ مزیت اس لئے دی گئی ہے کہ وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے بطریقِ احسن سبکدوش ہو سکے۔ مرد پر عورت کے تحفظ اور کفالت کی سنگین ذمہ داری کا عائد کیا جانا عورت کے حقوق یا اس کے مقام و منزلت میں کمی کا موجب ہرگز نہیں کیونکہ اس بات کا تعلق حقوق سے نہیں فرائض سے ہے۔ لہٰذا میری آپ سے گزارش ہے کہ صورتِ مسئلہ کو دقتِ نظر کے ساتھ آج کے معاشرتی نظام میں سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ میرے خیال میں عورت کو تحفظ کی فراہمی مرد کی اہم اور نازک ذمہ داریوں میں سے ایک ہے جس کی تعمقِ نظر کے ساتھ تفہیم ضروری ہے۔ یہ کسی کی جان بچانے کے معنوں میں کوئی حفاظت نہیں ہے بلکہ ایک انسان کا ہمہ جہت تحفظ ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ کیا مرد اپنے اس فریضے سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں اگر دقتِ نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں کہ مرد اپنے اس فریضے سے دستبردار ہو چکے ہیں اور اپنی بنیادی ذمہ داری سے غافل ہیں۔

میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ اس المناک صورتحال کا ذمہ دار کون ہے؟ کیونکہ اس بزم میں وقت کا دسترخوان میرے لئے نہیں چنا گیا۔ شاید اس صورتحال کی ذمہ داری عورت پر بھی عائد ہوتی ہو لیکن حقیقت یہی ہے کہ عورت اس صورتحال کے نتیجے میں جرم اور جبر و استبداد کا نشانہ بنی جس سے عورت کے وقار اور عزت و ناموس کو ٹھیس پہنچی۔ ہمیں ہندوستانی اخلاقیات کے پس منظر میں عورت کو تقدس دینا ہوگا۔ اس پس منظر میں کوئی عورت اس بے مہار آزادی کے لئے اپنی

1۔ یہ برتری عنداللہ قرب اور منزلت کے معنوں میں نہیں ہے۔ عنداللہ منزلت حاصل کرنے کے لیے جو معیار ہے اس میں مرد و زن مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی مقامِ عبدیت میں دونوں مساوی ہیں، بلکہ یہ برتری جسمانی طاقت، دماغی صلاحیت، ارادے کی مضبوطی اور اعصاب کے استحکام اور عقل و فکر کی پختگی سے مربوط ہے۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ ہر مرد ہر عورت پر ان حوالوں سے برتری رکھتا ہو بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی خواتین بہت سے مردوں سے بہتر ہیں۔

نسوانیت کی قیمت ادا کرنا پسند نہیں کرے گی اور نہ ہی کوئی مرد تحفظ اور کفالت کی ذمہ داری سے کنارہ کشی پر آمادہ ہوگا۔

مرد اور عورت کے رشتے کے اس انتہائی نازک پہلو کو عظیم مفکر اور شاعر ڈاکٹر محمد اقبال نے اپنی نظم ''عورت کی حفاظت'' میں یوں بیان فرمایا ہے

عورت کی حفاظت

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ ، نہ تعلیم ، نئی ہو کہ پرانی!
نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

قرآن کریم میں عورت کو معزز اور مکرم حیثیت سے نوازا گیا ہے۔ ہمارا بنیادی مسئلہ اور المیہ قرآنی تعلیمات سے غفلت اور عدم آگاہی ہے پس اس کا صحیح حل بھی لوگوں کو قرآنی تعلیمات اور شعور و آگہی کے زیور سے آراستہ کرنا ہے۔ میں یہاں تھامس جیفرسن کے مشہور الفاظ دہرانا چاہتا ہوں۔

''ایک قوم کی یہ تمنا کہ وہ جاہل اور گنوار بھی رہے اور آزاد بھی
ایک ایسی تمنا ہے جو کبھی پوری ہوئی نہ ہوگی۔''

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

جسٹس محمد مجیب الدین قاضی
ریٹائرڈ جج بمبئی ہائیکورٹ
ممبر مائنارٹیز کمیشن

مرد صنفِ قوی ہے اور عورت صنفِ نازک۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مرد عورت سے افضل ہے۔ اگر صلابت و قوت فضیلت اور نزاکت، پستی اور رذالت کی دلیل ہوتی تو پتھر آئینے کو توڑ کر افضل اور فاتح کہلاتا
لیکن

کون کہتا ہے ایک پتھر سے
ٹوٹ جانے کو آئینے کی شکست

اسلام میں خواتین کے حقوق

ہمارا آج کا موضوع ہے ''اسلام میں خواتین کے حقوق رائج الوقت یا خارج الوقت؟''

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق خواتین کے حقوق سے مراد ایسے حقوق ہیں جو خواتین کو مردوں کے برابر سماجی اور قانونی مقام وحیثیت دلاتے ہیں۔ جیسے حقِ رائے دہی اور حقِ ملکیت وغیرہ۔ اور آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق "Modernizing" کا مطلب ہے ''جدید اور معاصر بنانا''، ''نئے تقاضوں یا عادات کو اپنانا'' اور ویبسٹرز ڈکشنری کے مطابق اس سے مراد'' نیا اور معاصر بنانا یا نئی شکل وصورت یا نیا کردار دینا'' جیسے کسی کا اپنے نظریات میں جدت لانا مختصر لفظوں میں "Modernizing" موجودہ صورت حال میں بہتری اور مثبت تبدیلی لانے کا عمل ہے۔ موجودہ صورت حال بذاتِ خود (بغیر کسی مثبت تبدیلی کے) "Modernizing" نہیں کہلاتی۔

لیکن کیا ہم اپنے مسائل کے حل اور بنی نوع انسان کو نیا طرزِ حیات دینے کے لئے اپنی زندگیوں کو تجدد سے ہمکنار کر سکتے ہیں؟

میں جدید نظریات اور ناتجربہ کار مسند نشین ماہرین اور سائنسدانوں کے اخذ کردہ نتائج اور غیر مشروط بیانات کہ عورتوں کو یوں زندگی گزارنی چاہیے پر تکیہ نہیں کروں گا بلکہ میرے اخذ کردہ نتائج اور ملاحظات کی اساس تجربات سے ثابت شدہ

حقائق پر ہوگی۔

تجربات اور غیر جانبدارانہ مکمل اور بھرپور تجزیے کے ساتھ ہی طلائے حقیقت کو مسخ (تباہ) نظریات سے الگ کیا جاسکتا ہے، کھرے کو کھوٹے سے جدا کیا جاسکتا ہے۔

ہماری سوچ حقیقت پسندانہ ہونی چاہیے وگرنہ اکثر اوقات ہماری سوچ ہمیں صراطِ مستقیم سے دور لے جائے گی۔ بے شک اپنے عہد کے بہترین دماغ زمین کے مسطح (یعنی ہموار ہے گول نہیں) ہونے پر یقین کرتے رہے ہیں۔

اگر ہم ''اسلام میں خواتین کے حقوق'' کو مغربی ذرائع ابلاغ کی صورت گری میں دیکھیں گے تو لامحالہ ہمیں ماننا پڑے گا کہ یہ پسماندہ اور فرسودہ ہیں۔

آزادیٔ نسواں کا مغربی نعرہ درحقیقت عورت کے جسمانی استحصال، آبروریزی اور روحانی انحطاط پر پردہ ڈالنا ہے۔

اسلام میں عورت کو کیا مقام دیئے جانے کی بات کرنے والے مغربی معاشرے نے درحقیقت اس کی حیثیت کو کم کرکے اسے داشتہ اور آسانی سے دستیاب جنس بنا دیا ہے وہ آزادی اور کلچر کے نام پر جنسی سوداگروں اور حظ طلبوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن چکی ہے۔

جبکہ اسلام نے چودہ صدیاں قبل زمانہ جاہلیت میں اپنی اصیل انقلابی تعلیمات کے ذریعے عورت کو اس کا صحیح مقام اور جائز حقوق دیئے ہیں۔ معاشرے میں عورت کی سربلندی اور حریت کے لئے جدوجہد کرنا اور ہمارے دیکھنے، سننے، سوچنے، سمجھنے اور جینے کے انداز میں تجدد (مثبت تبدیلیاں) لانا اسلام کا مقصد تھا اور رہے گا۔

میں بحث آگے بڑھانے سے پیشتر چند نکات واضح کرنا چاہوں گا۔

(1) پہلا نکتہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا کی آبادی کا تقریباً پانچواں حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے جو مختلف معاشروں میں تقسیم ہے کچھ معاشرے نسبتاً اسلامی اقدار کے حامل ہیں اور کچھ نہیں۔

(2) اسلام میں خواتین کے حقوق کا جائزہ مسلمانوں کے انفرادی یا معاشرتی طرزِ عمل کے بجائے مستند اسلامی مصادر سے لیا جائے گا۔

(3) اسلام کے مستند مصادر اور منابع قرآن کریم جو کہ وحی خداوندی ہے اور رسول اللہ کی مستند سنت ہیں۔[1]

(4) چوتھا نکتہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں کہیں خود تردیدی (تضاد) موجود نہیں ہے اور نہ ہی صحیح حدیث میں تضاد پایا جاتا ہے اسی طرح یہ دونوں بہم متضاد یعنی ایک دوسرے کی تردید کرنے والے بھی نہیں ہیں۔

(5) جی ہاں کہیں کہیں مفسرین کی تفاسیر میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اکثر

1۔ "ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ رسول اللہ" (رواہ الترمذی عن المالک)۔ "میں اپنے بعد دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جب تک ان دونوں سے وابستہ رہو گے گمراہ نہ ہوگے ایک اللہ کی کتاب دوسری سنتِ رسولؐ۔" (صحیح مسلم کی حدیث: ۲۴۰۸ میں ہے۔ "انا تارک فیکم ثقلین: اولھما کتاب اللہ فیہ الھدیٰ والنور، فخذوا بکتاب اللہ، واستمسکوا بہ، فحث علی کتاب اللہ و رغب فیہ، ثم قال: واھل بیتی، اذکرکم اللہ فی اھل بیتی، اذکرکم اللہ فی اھل بیتی، اذکرکم اللہ فی اھل بیتی (صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، باب فضائل علی، ح: ۲۴۰۸) "میں تم میں دو اہم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ان میں سے ایک تو اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اس لیے اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔" پھر آپ نے لوگوں کو کتاب اللہ کی طرف رغبت دلائی۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ "دوسری چیز میرے اہلِ بیت ہیں۔ میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔" حصینؒ نے راوی حضرت زید بن ارقمؓ سے پوچھا: "نبیؐ کے اہلِ بیت کون ہیں؟" کیا آپؐ کی بیویاں اہلِ بیت سے نہیں؟ وہ کہنے لگے۔ "آپؐ کی بیویاں اہلِ بیت تو ہیں مگر اصل اہلِ بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔" حصین نے کہا۔ "وہ کون ہیں؟" فرمانے لگے۔ "آلِ علی، آلِ عقیل، آلِ جعفر اور آلِ عباس ہیں۔" حصین نے پوچھا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟" فرمانے لگے۔ "ہاں۔" ایک روایت میں یوں ہے۔ "ہم نے کہا نبی کریمؐ کے اہلِ بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی بیویاں؟" فرمانے لگے۔ "نہیں۔ اللہ کی قسم! عورت تو خاوند کے پاس کتنی دیر بھی رہے۔ جب وہ اسے طلاق دیتا ہے تو وہ اپنے والد کے ہاں چلی جاتی ہے۔ اہلِ بیت تو آپ کا خاندان ہے یعنی وہ رشتہ دار جن پر صدقہ حرام ہے۔" (ترجمہ: شیخ الحدیث حافظ محمد امین)

اوقات یہ اختلاف قرآن کریم کے بالاستیعاب مطالعے اور مجموعی جائزے کے ساتھ رفع ہو جاتا ہے تاہم ایک آدھ آیت کو حوالہ بنا لینے سے یہ اختلاف رفع نہیں ہوتا کیونکہ اگر قرآن کی کوئی آیت مبہم ہے تو کسی دوسرے مقام پر اس ابہام کی وضاحت موجود ہے۔ بعض لوگ باقی آیات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کسی ایک آیت کو حوالہ بنا لیتے ہیں (جو درست نہیں)

(6) ہر مسلمان مرد اور عورت پر لازم ہے کہ وہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کا اطاعت گزار بندہ بننے میں مشغول رہے نہ کہ سستی شہرت اور تسکینِ نفس کو اپنا مطمعِ نظر بنائے۔

اسلام مرد اور عورت کی برابری پر یقین رکھتا ہے لیکن برابری سے مراد بعینہ تماثل اور یکسانی نہیں۔ اسلام میں مرد اور عورت کا کردار باہمی معاونت، تعمیر اور تکمیل کا ہے نہ کہ تصادم، تخریب اور تنقیص کا۔ یہ باہمی رفاقت اور شراکت ہے نہ کہ بالادستی اور فوقیت کے حصول کے لئے رقابت اور خصومت۔

جہاں تک اسلام میں خواتین کے حقوق کا تعلق ہے میں انہیں چھ اساسی اقسام میں تقسیم کرتا ہوں۔

(۱) روحانی حقوق	(۲) معاشی حقوق
(۳) معاشرتی حقوق	(۴) تعلیمی حقوق
(۵) قانونی حقوق	(۶) سیاسی حقوق

آئندہ ابواب میں ان حقوق کا قدرے تفصیل سے تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

اسلام میں عورت کے روحانی حقوق

مغرب کی اسلام کی بابت ایک بڑی غلط فہمی یہ خیال کرنا ہے کہ اسلام میں جنت کا تصور صرف مردوں کے لئے ہے اور عورتوں کے لئے نہیں۔ یہ غلط فہمی قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے بخوبی دور ہو سکتی ہے۔

(وَمن یعمل من[۱] الصّٰلحٰت من ذکرٍ اَوْ[۲] انثیٰ وھو مومن[۳] فَاُولٰئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون نقیراً)

"اور جو نیک اعمال بجالائے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔" (سورہ نساء آیت ۱۲۴)

تقریباً یہی بات سورہ نحل میں دہرائی گئی ہے۔

۱۔ عملِ صالح پر مِنْ داخل ہونے سے یہ مطلب بنتا ہے کہ نیکیوں میں سے کچھ حصہ انجام دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کر دے گا اور یہ اللہ کے فضل و کرم کی ایک عظیم بشارت ہے۔

۲۔ عملِ صالح کی جزا پانے میں مرد یا عورت کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے۔ اس میں ان قدیم مذاہب و نظریات کی تردید ہے جن میں عورت کو جنس کی بنیاد پر عملِ صالح کے اجر و ثواب کا اہل نہیں سمجھا جاتا تھا۔

۳۔ وَھُوَ مُؤْمِنٌ : سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عمل صالح سے اجر و ثواب کے استحقاق کے لیے مومن ہونا شرط ہے کیونکہ اگر عمل صالح انجام دینے والا مومن نہیں ہے تو اس کے عمل میں تو حسن ہے لیکن عمل بجالانے والے میں نہیں۔ ثواب کے لیے حُسنِ فعلی کے ساتھ حُسنِ فاعلی شرط ہے۔ مثلاً ایک شخص حرام کی کمائی سے یتیم کی مالی کفالت کرتا ہے تو اگرچہ یتیم پر رحم کرنا حسنِ عمل رکھتا ہے لیکن یہ شخص خود حسنِ فاعلی نہیں رکھتا۔

(من عمل صالحاً من ذکر اوانثی وھو مومن فلنحیینہ حیوۃً طیّبۃ
ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون)

"جو نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے پاکیزہ زندگی ضرور عطا کریں گے اور ان کے بہترین اعمال کی جزا میں ہم انہیں اجر (بھی) ضرور دیں گے۔" (سورہ نحل آیت ۹۷)

ان آیات سے یہ بات بخوبی روشن ہو جاتی ہے کہ اسلام میں جنت کا حصول صنف پر موقوف نہیں ہے (یعنی جنت پانے کے لئے مرد ہونا ضروری نہیں) کیا آپ ایسے اسلامی حقوق کو جدت پذیر کہیں گے یا فرسودہ؟

عورت روح نہیں رکھتی

مغربی میڈیا کی ایک اور غلط فہمی عورت میں روح کے وجود سے انکار ہے۔ درحقیقت یہ سترہویں صدی کی بات ہے جب روم کی مجلس عقلاء (counsil of Wise Men) میں متفقہ طور پر طے پایا کہ عورت روح نہیں رکھتی۔

اسلام کے مطابق مرد اور عورت ایک ہی روحانی فطرت کے حامل ہیں اور اس بات کی وضاحت قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے ہوتی ہے۔

(یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا[2]
وبث منھما رجالاً کثیراً و نسآءً)

لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا[3] اور ان دونوں سے بکثرت مرد و عورت (روئے زمین پر) پھیلا دیئے۔" (سورہ نساء آیت ۱)

۱۔ حیاتِ طیبہ سے مراد دنیا کی زندگی ہے اس لیے کہ آخرت کی زندگی کا ذکر اگلے جملے میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک مومن باکردار کو صالحانہ اور متقیانہ زندگی گزارنے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں جو لذت و حلاوت محسوس ہوتی ہے وہ ایک منکر اور نافرمان کو دنیا بھر کی آسائشوں اور سہولتوں کے باوجود میسر نہیں آتی بلکہ وہ ایک گونہ قلق و اضطراب کا شکار رہتا ہے۔

۲۔ جن چیزوں میں نر اور مادہ پایا جاتا ہے ان میں سے ہر ایک دوسرے کا زوج کہلاتا ہے۔

۳۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ حضرت حواؑ کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور تائید میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے۔ "انّ المرأۃ خلقت من ضلع وانّ اعوج شیءٍ فی الضلع اعلاہ" (صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع) جبکہ اس حدیث میں بات (بقیہ اگلے صفحے پر)

ایسا ہی پیغام سورہ نحل میں بھی مذکور ہے۔

(واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجاً)

اور اللہ نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں (سورہ نحل آیت ۷۲)

سورہ شوریٰ میں بار دیگر ارشاد باری تعالیٰ ہے

(فاطر السمٰوٰت والارض ط جعل لکم من انفسکم ازواجاً)

وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسی نے خود تمہاری جنس سے تمہارے لئے جوڑے بنائے۔" (سورہ شوریٰ آیت ۱۱)

مندرجہ بالا آیات سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں مرد اور عورت کی روحانی فطرت ایک ہی ہے۔

آپ اسلام کے بیان کردہ ان حقوق کو جدت سے ہم آہنگ کہیں گے یا فرسودہ؟

قرآن کریم واضح انداز میں بیان کرتا ہے کہ اللہ نے انسان میں اپنی روح پھونکی۔ سورہ حجر ملاحظہ فرمایئے۔

(فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سٰجدین)

پھر جب میں اس کی تخلیق مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح[1] پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ (سورہ حجر آیت ۲۹)

(گذشتہ سے پیوستہ) حضرت حواؑ کی نہیں ہو رہی۔ ہمیں قرآن و حدیث بائبل اور تالمود کی پسلی والی روایت کی تائید کرتے نظر نہیں آتے بلکہ یہ آیت دوسری آیات "واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجاً" (نحل: ۷۲، شوریٰ: ۱۱) کے ساتھ مل کر اسی مطلب کو بیان کرتی نظر آتی ہے کہ عورت بھی تمہاری ہم جنس اور زوج ہونے کے ناتے مکمل آدمی اور انسان ہے اور اس کا وجود ضمنی اور ذیلی نہیں۔

۱۔ انسان کے اندر جو روح پھونکی گئی ہے وہ دراصل صفاتِ الٰہی کا ایک عکس یا پرتو ہے۔ حیات، علم، قدرت، اختیار، ارادہ اور دوسری جتنی صفات ہیں جن کے مجموعہ ہی کا نام روح ہے یہ دراصل صفاتِ الٰہی کا ہلکا سا پرتو ہے جو اس کالبدِ خاکی پر ڈالا گیا ہے اور اسی پرتو کی وجہ سے انسان زمین پر خدا کا خلیفہ اور ملائکہ سمیت تمام موجوداتِ ارضی کا مسجود قرار پاتا ہے۔

اُسی خدا کے مشابہ ہے ہوبہو تو بھی
اُٹھا کے دیکھ ذرا خود سے خدوخال کی حد

سورۂ سجدہ میں یہی پیغام دہرایا گیا ہے۔

(ثم سوّٰہ ونفخ فیہ من روحہ)
پھر اسے معتدل بنایا اور اس میں اپنی روح پھونک دی (سورہ سجدہ آیت ۹)

جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ نے انسانی روپ دھار لیا ہے یا کوئی وحدت الوجودی جلوہ فرمائی ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی روحانی فطرت اور علم میں سے کچھ انسان کو عطا فرمایا ہے اور انسان کو اپنے قریب کیا ہے۔ یہاں انسان سے مراد حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ دونوں ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دونوں میں اپنی روح پھونکی ہے۔

اسی طرح ہم قرآن مجید میں یہ ارشاد خداوندی بھی دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ اور امین مقرر کیا ہے۔

(ولقد کرمنا بنی ادم وحملنٰھم فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبٰت وفضلنٰھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاً)
''اور تحقیق ہم نے اولاد آدم کو عزت وتکریم سے نوازا اور ہم نے انہیں خشکی اور سمندر میں سواری دی اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انہیں بڑی فضیلت دی۔'' (سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۰)

یہاں اولادِ آدم کی بات ہو رہی ہے چاہے مرد ہو یا عورت۔ کچھ مذہبی صحائف جیسے بائبل حوا کو ہبوطِ آدمؑ کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔
لیکن اگر آپ قرآن کی سورۂ اعراف کی انیسویں سے ستائیسویں آیات تک کا مطالعہ کریں کہ جن میں حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو ایک درجن سے زائد بار

مخاطب کیا گیا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ دونوں نے خدا کی نافرمانی کی، دونوں نادم ہوئے، دونوں نے توبہ کی اور دونوں کی توبہ قبول کی گئی۔
جبکہ بائبل کی کتاب تکوین (Genesis) کے تیسرے باب میں صرف حوا کو ہبوطِ آدمؑ کا ذمہ دار اور قصوروار ٹھہرایا گیا ہے اور (doctrine of Original Sin) کے مطابق اسی ''اصلی گناہ'' کی بدولت ہر بچہ موروثی گناہ کی حالت میں پیدا ہوتا ہے۔
اگر آپ بائبل کی کتاب تکوین (Book of Genesis) کے تیسرے باب کی سولہویں آیت پڑھیں تو یہ بیان کرتی ہے کہ خداوند نے عورت سے کہا میں تیرے دردِ حمل کو بہت بڑھاؤں گا تو درد ہی کے ساتھ اولاد جنے گی تو اپنے شوہر کے اختیار میں رہے گی تجھ پر وہ حکومت کرے گا۔
اس کا مطلب یہ ہوا کہ بائبل کے مطابق عورت کا حاملہ ہونا اور بچہ جننا توہین آمیز ہے اور دردِ زہ ایک طرح کی سزا ہے۔
جب بائبل نے بنی آدم کے تمام گناہوں کا سنگِ الزام عورت پر پھینکا تو قرآن نے عورت کی تعظیم کی۔ قرآنِ کریم نے عورت کے ماں بننے کو اعزاز قرار دیا۔ قرآنِ کریم سورہ نساء کی پہلی آیت میں ارشاد فرماتا ہے'' ارحام کی تعظیم کرو'' قرآن کریم سورۂ لقمان میں حکم دیتا ہے۔

(ووصینا الانسان بوالدیہ ج حملتہ امہ وھنا علی وھن و فصلہ فی عامین ان اشکرلی ولوالدیک ط الیّ المصیر)
ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں نصیحت کی۔[1] اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری سہہ کر اسے (پیٹ میں) اٹھایا اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے کہ تو میری اور اپنے والدین کی شکرگزاری کر۔ بازگشت میری ہی طرف ہے۔'' (سورہ لقمان آیت ۱۴)

۱۔ اللہ سبحانہ والدین کو اولاد پر احسان کرنے کا ذکر نہیں فرماتا کیونکہ یہ بات والدین کی فطرت میں ودیعت ہے کہ والدین اولاد کو جان سے عزیز رکھتے ہیں۔ جبکہ اولاد کو والدین پر احسان کرنے کے حکم کی ضرورت ہے لہٰذا اللہ سبحانہ نے یہ بات شریعت میں رکھی ہے۔

اس سے ملتا جلتا پیغام سورہ احقاف میں درج ہے۔

(ووصینا الانسان بوالدیہ احسناً ط حملته امه کرھا ووضعته کرھا ط
وحمله وفصله ثلثون شهراً ط)

''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ پر احسان کرنے کا حکم دیا۔ اس کی ماں نے تکلیف سہہ کر اسے پیٹ میں اٹھائے رکھا اور تکلیف جھیل کر اسے جنا اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگ جاتے ہیں۔'' (سورہ احقاف آیت ۱۵)

قرآن پاک عورت کے ماں بننے کو حقارت کی نگاہ سے نہیں بلکہ عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا ہے۔

آپ قرآن و اسلام کی اس دید کو پسماندہ کہیں گے یا ترقی یافتہ؟

خدا کے حضور فضیلت کا معیار تقویٰ ہے

چشم باری تعالیٰ میں جزا اور سزا کا معیار تقویٰ، خداشناسی اور دیانتداری ہے۔

قرآنِ مجید میں ارشادِ خداوندی ہے۔

(یا ایها الناس انا خلقنکم من ذکروانثیٰ وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ط
ان اکرمکم عندالله اتقکم ط ان الله علیم خبیر)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا پھر تمہیں قومیں اور قبیلے بنا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک یقیناً وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی (پرہیزگار) ہے۔ اللہ یقیناً خوب جاننے والا، باخبر ہے۔ (سورہ حجرات آیت ۱۳)

اسلام میں جنس، رنگ، ذات اور مال و دولت معیارِ شرف نہیں۔ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں معیارِ فضیلت صرف اور صرف تقویٰ ہے جنس نہیں اور خدا اسی کی بنیاد پر جزا و سزا کے فیصلے سنائے گا۔

سورۂ آلِ عمران میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

(انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر اوانثی ج بعضکم من بعض ج)

''میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم ایک دوسرے کا حصہ ہو۔'' (سورہ آلِ عمران آیت ۱۹۵)

سورۂ احزاب کی درج ذیل آیت ملاحظہ فرمایئے۔

(ان المسلمین والمسلمات والمومنین والمومنات والقٰنتین والقٰنتٰت
والصٰدقین والصٰدقٰت والصٰبرین والصٰبرٰت والخٰشعین والخٰشعٰت
والمتصدقین والمتصدقٰت والصٰآئمین والصٰئمٰت والحٰفظین فروجھم
والحٰفظٰت والذاکرین الله کثیرا والذٰکرٰت اعدالله لهم مغفرةً واجراً عظیماً)

''یقیناً مسلم مرد اور مسلم عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، اطاعت گزار مرد اور اطاعت گزار عورتیں، راست گو مرد اور راست گو عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، فروتنی کرنے والے مرد اور فروتن عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی عفت کے محافظ مرد اور محافظ عورتیں وہ ہیں جن کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔'' (سورہ احزاب آیت ۳۵)

اس آیت کا اختتام ''اعدالله لهم مغفرة واجرا عظیما'' کے الفاظ پر ہو رہا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان (مردوں اور عورتوں) کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم مہیا کر رکھا ہے اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں مردوں اور عورتوں کے روحانی اور اخلاقی فرائض ایک جیسے ہیں۔ دونوں ایمان لانے، نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کے پابند ہیں۔

بلکہ اسلام میں عورتوں کو خصوصی رعایتیں دی گئی ہیں۔ وہ اپنے مخصوص ایام اور دورانِ حمل کے عرصے میں روزے رکھنے کی پابند نہیں۔ وہ یہ روزے تندرست ہونے کے بعد رکھ سکتی ہیں۔ اسی طرح حیض اور نفاس کے دوران اسے نماز نہ پڑھنے کی چھوٹ دی گئی ہے جس کی قضا بھی واجب نہیں ہے۔

اسلام میں مردوں اور عورتوں کے ایک جیسے اخلاقی فرائض کی بناء پر کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں عورتوں کو مساوی حقوق نہیں دیئے گئے۔

اسلام میں عورت کے معاشی حقوق

اسلام نے مغرب سے 1300 سال قبل عورت کو معاشی حقوق دیئے ہیں۔
اسلام میں ایک بالغ لڑکی خواہ کنواری ہو یا شادی شدہ بغیر کسی کی مشاورت کے جائیداد کی ملکیت، دیکھ بھال اور خرید وفروخت کا حق رکھتی ہے۔
یہ 1870ء کی بات ہے جب مغرب نے انگلینڈ میں پہلی بار یہ تسلیم کیا کہ شادی شدہ عورت اپنی جائیداد کی آزادانہ طور پر خرید وفروخت کا حق رکھتی ہے۔
میں مانتا ہوں کہ اسلام نے عورتوں کو معاشی حقوق 1300 سال پہلے دیئے لہٰذا یہ ''پرانے'' ہیں لیکن کیا پرانے ہونے کی وجہ سے یہ فرسودہ اور خارج الوقت ہوگئے ہیں؟

اسلام کی رو سے عورت کے کام (ملازمت) کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔
قرآن اور مستند حدیث میں کہیں بھی عورت کو کسی ایسے کام سے نہیں روکا گیا جو غیر قانونی، شرعی حدود اور اسلامی حجاب کے منافی نہ ہو لیکن ظاہری بات ہے کہ وہ ایسا پیشہ یا ملازمت نہیں کرسکتی جس میں اس کے جسم یا حسن کی نمائش ہوتی ہو جیسے ماڈلنگ، فلموں میں اداکاری اور ایسے ہی دوسرے کام۔ بہت سے پیشے اور کام مرد وعورت دونوں کے لئے حرام ہیں جیسے ہوٹل وغیرہ میں شراب پیش کرنا، جوا خانوں میں ملازمت یا دیگر غیر اخلاقی یا بددیانتی پر مبنی کام۔

ایک حقیقی اسلامی معاشرہ خواتین ڈاکٹر، ماہر امراض نسواں (Gynecologist)، تیماردار (Nurse) اور معلمات کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا۔ لیکن اسلام نے عورت پر کوئی معاشی ذمہ داری عائد نہیں کی بلکہ یہ ذمہ داری گھر کے مرد کے سپرد کی ہے لہٰذا عورت کو گزر اوقات کے لئے کام کرنے کی ضرورت نہیں تاہم معاشی بدحالی اور تنگدستی کی صورت میں عورت کام کرنے کا حق محفوظ رکھتی ہے لیکن اس صورت میں بھی کوئی اسے کام پر مجبور نہیں کرسکتا۔ اسے کلی طور پر اپنی مرضی اور ارادے کے ساتھ کام کرنے کا حق حاصل ہے۔

مذکورہ بالا پیشوں کے علاوہ عورت اپنے گھر میں بھی کام کرسکتی ہے جیسے سلائی کڑھائی، ظروف سازی اور ٹوکریاں بنانا وغیرہ۔ وہ ایسے کارخانوں، فیکٹریوں اور چھوٹی صنعتوں میں بھی کام کرسکتی ہے جو خواتین کے لئے مخصوص ہوں علاوہ ازیں وہ ایسی جگہوں پر بھی کام کرسکتی ہے جہاں مرد اور عورتیں الگ الگ کام کرتے ہیں کیونکہ اسلام مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط اور میل جول کی اجازت نہیں دیتا۔

عورت کاروبار بھی کرسکتی ہے لیکن جہاں کہیں اسے نامحرموں کے ساتھ مل کر کوئی کاروباری معاملہ طے کرنا ہو تو اسے کسی محرم مرد جیسے باپ، بھائی، شوہر یا بیٹے وغیرہ کی مدد حاصل کرنا ہوگی۔

حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی بہترین مثال ہمارے سامنے ہے جو اپنے وقت کی کامیاب تاجر خاتون تھیں اور اپنے کاروباری معاملات اپنے شوہر حضرت محمدؐ کے ذریعے انجام دیتی تھیں۔

اسلام عورت کو معاشی تحفظ دیتا ہے:

اسلام مرد کی نسبت عورت کو زیادہ معاشی تحفظ فراہم کرتا ہے جیسا کہ پہلے

بیان ہو چکا ہے کہ اسلام خاندان کی معاشی ذمہ داری عورت کو نہیں مرد کو سونپتا ہے شادی سے پہلے عورت کی رہائش، لباس اور دوسری معاشی ضروریات باپ یا بھائی اور شادی کے بعد شوہر یا بیٹے کے ذمے ہیں۔

عورت اپنی شادی کے موقع پر بھی وصولی سمت (Receiving End) پر ہوتی ہے کیونکہ اسے جہیز اور حق مہر سے نوازا جاتا ہے۔

سورہ نساء میں ارشاد رب العزت ہے

(واتوا النساء صدقٰتھن نحلة)

''اور عورتوں کے مہر خوشی سے دیا کرو۔'' (سورہ نساء، آیت ۴)

مہر شادی کے اسلامی آداب کا لازمی حصہ ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں اس قرآنی حکم پر 151 یا 788 روپوں کی ادائیگی کے ساتھ برائے نام عمل کرویا جاتا ہے حالانکہ شادی میں استقبال، تزئینات، ولیمے اور دعوتوں پر لاکھوں روپوں کا اسراف کردیا جاتا ہے۔

یاد رکھیے کہ اسلام میں مہر کی کوئی کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ حد مقرر نہیں ہے لیکن جب کوئی شخص شادی کی تقریب پر لاکھوں روپے صرف کرسکتا ہے تو یقیناً اس کے لئے مہر کی مقدار بھی زیادہ ہونی چاہیے۔

بہت سے رسوم و رواج مسلم معاشروں بالخصوص پاک و ہند میں بتدریج در آئے ہیں اب یہاں مہر کے لئے معمولی رقم دی جاتی ہے اور بیوی سے فرج، ٹی وی، کار حتیٰ کہ مکان وغیرہ کی توقعات وابستہ کرلی جاتی ہیں اور دولہے کی حیثیت کے مطابق اس کی قیمت مانگی جاتی ہے۔ اگر وہ گریجویٹ ہے تو ایک لاکھ، انجینئر ہے تو تین لاکھ، ڈاکٹر ہے تو پانچ لاکھ (آج کل تو مہنگائی اور بڑھ چکی ہے)

اسلام میں دلہن سے جہیز کا بالواسطہ یا بلاواسطہ مطالبہ ممنوع ہے اگر دلہن کے ماں باپ اپنی خوشی سے بیٹی کو کچھ دینا چاہیں تو اسے قبول کیا جاسکتا ہے لیکن بالواسطہ

یا بلاواسطہ مطالبہ یا دباؤ اسلام میں روا نہیں ہے۔

اگر کوئی عورت کام یا ملازمت کہ جو اس پر واجب نہیں ہے کہ ذریعے کچھ کماتی ہے تو وہ اس کی ذاتی ملکیت ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ وہ مالی طور پر خوشحال ہے اسے گھر کے اخراجات کے لئے ایک پائی تک خرچ کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا وہ اپنی کمائی اپنی مرضی سے خرچ کرنے کا مکمل اختیار رکھتی ہے گھر کے اخراجات اور بیوی کے لوازمات مہیا کرنا شوہر کا فریضہ ہے۔

طلاق یا بیوگی کی صورت میں عدت کے دوران عورت کا نفقہ اور بچے دار ہونے کی صورت میں بچوں کی کفالت مرد کے مال میں سے ہوگی۔

اسلام نے صدیوں قبل عورت کو وراثت کا حق دیا ہے

اگر آپ قرآن کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ متعدد مقامات پر جیسے سورۂ نساء، سورۂ بقرہ اور سورۂ مائدہ میں بیان کیا گیا ہے کہ عورت بیوی، ماں، بہن اور بیٹی کی حیثیت سے وراثت میں حصہ دار ہے اور یہ حصے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود مقرر فرمائے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ اسلامی قانونِ وراثت کی صحت پر سوالات اٹھائے جاتے ہیں لیکن وقت مجھے اجازت نہیں دے رہا کہ میں ابھی ان کی وضاحت پیش کروں انشاء اللہ جب مجھ سے اس بارے میں سوال ہوگا تو میں اس وقت تفصیل سے بیان کروں گا۔ اب ہم آگے بڑھتے ہیں اور عورت کے معاشرتی حقوق کا جائزہ لیتے ہیں۔

اسلام میں عورت کے معاشرتی حقوق

موضوع کی وسعت کے پیش نظر اسے چار ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اسلام میں

ا۔ بیٹی کے معاشرتی حقوق۔ ۲۔ بیوی کے معاشرتی حقوق۔ ۳۔ ماں کے معاشرتی حقوق اور ۴۔ بہن کے معاشرتی حقوق

ا۔ اسلام میں بیٹی کے معاشرتی حقوق

اسلام دختر کشی سے منع کرتا ہے۔ سورہ تکویر میں ارشاد رب العزت ہے۔

(واذا المؤدة سئلت . بای ذنب قتلت)

''اور جب زندہ درگور لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی۔''

(سورہ تکویر آیات ۸۔۹)

اسلام میں صرف دختر کشی ہی نہیں بلکہ مطلقاً اولاد کشی حرام ہے چاہے لڑکا ہو یا لڑکی۔

سورہ انعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(ولا تقتلوا اولادکم من املاق ط نحن نرزقکم وایاھم ج)

''اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل نہ کرو ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی۔''

(سورہ انعام آیت ۱۵۱)

ایسا ہی حکم سورۂ بنی اسرائیل میں بھی مذکور ہے۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق ط نحن نرزقھم وایاکم ط ان قتلھم خطاً کبیراً

اور تم اپنی اولاد کو تنگدستی کے خوف سے قتل نہ کیا کرو۔ ہم انہیں رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ ان کا قتل یقیناً بہت بڑا گناہ ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۱)

اسلام سے قبل عرب عام طور پر بچیوں کو زندہ درگور کردیا کرتے تھے الحمد اللہ ظہورِ اسلام سے اس قبیح رسم کا خاتمہ ہوگیا لیکن بدقسمتی سے بھارت میں یہ رسم اب بھی جاری ہے۔

''اسے مرنے دو'' (Let Her Die)

''اسے مرنے دو'' (Let Her Die) کے نام سے بی بی سی کا ایک دستاویزی پروگرام جسے برطانوی خاتون صحافی ایملی بیکنن (Emily Beckenen) نے برطانیہ سے انڈیا آ کر تیار کیا، ہمیں دختر کشی کے اعداد و شمار فراہم کرتا ہے۔ یہ پروگرام متعدد بار سٹار ٹی وی (Star TV) پر بھی نشر کیا جاچکا ہے۔ اس پروگرام کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق اس تعین کے بعد کہ جنین (رحم مادر میں موجود حیات) بچی ہے روزانہ تقریباً تین ہزار (3000) سے زائد اجنہ (جنین کی جمع) کا خون کیا جارہا ہے۔ اگر آپ اسے 365 دنوں کے ساتھ ضرب دیں تو بھارت میں سالانہ دس لاکھ سے زائد مونث اجنہ (Female Fetuses) ضائع کئے جارہے ہیں۔

تامل ناڈو اور راجستھان جیسی ریاستوں میں چسپاں (Posters) اور نصبی اشتہار (Hoardings) نظر آتے ہیں جن پر لکھا ہے۔

"پانچ سو روپے خرچ کریں اور پانچ لاکھ روپے بچائیں۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ 500 روپے اس طبی معائنے اور تشخیص کا معاوضہ ادا کریں جس کے ذریعے یہ معلوم ہو کہ جنین لڑکا ہے یا لڑکی اور اگر یہ لڑکی ہے تو اسقاطِ حمل کے ذریعے پانچ لاکھ روپے بچالیں۔ وہ کس طرح؟

لاکھوں روپے آپ اس کی پرورش پر خرچ کریں گے اور لاکھوں کا جہیز دینا پڑے گا۔

تامل ناڈو کے سرکاری ہسپتال کی رپورٹ کے مطابق ہر دس بیٹیوں میں سے چار کو مار دیا جاتا ہے۔ انڈیا میں عورتوں کی آبادی مردوں سے کم ہونا اچنبھے کی بات نہیں۔

انڈیا میں دختر کشی صدیوں سے جاری ہے اگر آپ 1901ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کا جائزہ لیں تو اس وقت ہر ایک ہزار مردوں کے مقابلے میں 972 عورتیں تھیں 1981ء کی مردم شماری کے مطابق ہر ہزار مردوں کے مقابلے میں 934 عورتیں اور 1991ء کی مردم شماری کے مطابق ہر ہزار مردوں کے مقابلے میں 927 عورتیں ہیں۔ آپ نے ملاحظہ کیا کہ عورتوں کا تناسب ہر سال کم ہو رہا ہے اور جب سے طبی علوم (Medical Science) نے ترقی کی ہے اس قبیح رسم میں تیزی آگئی ہے۔

جبکہ اسلام طفل کشی سے منع کرتا ہے چاہے وہ بیٹا ہو یا بیٹی کیا یہ اسلامی رویہ فرسودہ ہے؟

اسلام بیٹی کی ولادت پر مسرت اور شادمانی کا حکم دیتا ہے

اسلام نہ صرف بچوں کے قتل سے روکتا ہے بلکہ بیٹے کی ولادت پر مسرور و شادماں ہونے اور بیٹی کی ولادت کا سن کر افسردہ ہونے کی سختی سے مذمت کرتا ہے۔

اگر آپ سورۂ نحل کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے

(واذا بشر احدهم بالانثیٰ ظل وجهه مسودا وهو كظيم. يتوارىٰ من القوم من سوٓء ما بشربه ط ايمسكه على هون ام يدسه في التراب ط الاسآء مايحكمون)

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو مارے غصے کے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کیا اسے ذلت کے ساتھ زندہ رہنے دے یا اسے زیر خاک دبا دے؟ دیکھو! کتنا برا فیصلہ ہے جو یہ کر رہے ہیں۔"[1]

(سورۂ نحل کی آیات ۵۸۔۵۹)

اسلام میں بیٹی کی احسن طریقے سے پرورش کا حکم دیا گیا ہے مسندِ احمد کی حدیث کے مطابق رسولؐ خدا فرماتے ہیں۔

"جو کوئی دو بیٹیوں کی احسن طریقے سے پرورش کرے گا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا (جیسے دو انگلیاں ساتھ ہوتی ہیں)"

ایک اور حدیثِ مبارک میں ارشاد ہے۔

"جس شخص نے دو بیٹیوں کی صحیح طریقے سے پرورش کی ان کا خیال رکھا اور ان سے محبت اور شفقت سے پیش آیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

۱۔ عرب جاہلیت کے مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور جب اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے تھے تو کہتے تھے الحقوا البنات بالبنات "ان بیٹیوں کو ان بیٹیوں سے ملا دو۔" خود مشرکین لڑکیوں کو عار و ننگ تصور کرتے تھے اور انہیں اقتصادی طور پر بھی بوجھ تصور کرتے تھے اور قحط کے خوف سے مار ڈالتے تھے۔ اس ماحول میں مبعوث ہونے والے رسولؐ اپنی بیٹی کو اپنے وجود کا ٹکڑا قرار دیتے ہیں۔ فاطمۃ بضعۃ منی (حدیث)۔

ایک اور حدیثِ نبویؐ کے مطابق

"آنحضرتؐ کے محضرِ اقدس میں ایک شخص نے اپنے بیٹے کو پیار کیا اور اپنی گود میں بٹھا لیا لیکن اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا نہیں کیا تو آپؐ نے فوراً ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ تمہیں چاہیے تھا اپنی بیٹی کو بھی پیار کرتے اور دوسرے زانو پر بٹھاتے۔"

آنحضرتؐ نہ صرف انصاف کی تلقین فرماتے بلکہ آپؐ کا اسوۂ حسنہ بھی اسی طرزِ عمل کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۴۔ اسلام میں بیوی کے معاشرتی حقوق:

تمام سابقہ تہذیبوں میں عورت کو شیطان کا آلہ کار سمجھا جاتا تھا جبکہ قرآن عورت کو "محصنہ" کا لقب دیتا ہے۔ یعنی "شیطان کے مقابل دفاعی قلعہ" جب ایک نیک عورت کسی مرد سے شادی کرتی ہے تو اسے غلط راہ پر چلنے سے روکتی ہے اور "صراطِ مستقیم" یعنی سیدھے راستے پر چلنے میں اس کی مددگار ثابت ہوتی ہے۔

رسولِ خدا کا ارشادِ گرامی ہے۔

"اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔"

اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ارشادِ نبویؐ ہے۔

"ہر مستطیع نوجوان کو چاہیے کہ وہ شادی کرے اس سے اسے نگاہ نیچی رکھنے اور اپنی پاکدامنی کی حفاظت میں مدد ملے گی۔"
(صحیح بخاری ج ۷ باب ۳ حدیث ۴)

حضرت انسؓ سے روایت ایک حدیث میں آنحضرتؐ ارشاد فرماتے ہیں۔

"جس نے شادی کرلی اس نے اپنے آدھے دین کی تکمیل کرلی۔"

ایک دفعہ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں دو شادیاں کرلوں تو میرا دین مکمل ہو جائے گا؟

اس شخص نے فرمانِ نبویؐ کو صحیح طور پر نہیں سمجھا۔ آنحضرتؐ کی اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ شادی آپ کو جنسی بے راہ روی، زنا اور ہم جنس پرستی سے روکتی ہے اور دنیا کے نصف جرائم انہی کے سبب ہوتے ہیں۔ شادی صرف آپ کو بیوی میاں اور ماں باپ بننے کا موقع فراہم کرتی ہے اور اسلام میں بیوی میاں اور ماں باپ کے فرائض بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ لہٰذا کوئی ایک شادی کرے یا چار اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس کا صرف نصف دین ہی محفوظ ہوگا۔

قرآنِ مجید میں لکھا ہے کہ ہم نے میاں بیوی کے دلوں میں محبت ڈال دی ہے۔ سورہ روم میں ارشادِ رب العزت ہے۔

(ومن آیٰته ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوآ الیها وجعل بینکم مودةً ورحمةً ط ان فی ذلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون)

"اور یہ اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے ازواج پیدا کئے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے مابین محبت اور مہربانی پیدا کی۔ غور و فکر کرنے والوں کے لئے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں۔[1] (سورۂ روم آیت ۲۱)

۱۔ اولاً: روزِ اوّل سے لے کر آج تک زن و مرد کی تخلیق میں توازن برقرار ہے۔ عورتوں کے لیے مردوں کی قلت پیش آتی ہے نہ مردوں کے لیے عورتوں کی قلت۔ ثانیاً: اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں ایک دوسرے کے لیے کشش ودیعت فرمائی ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے سکون مل سکے۔ ثالثاً: ان دونوں میں حاکم و محکوم کا نہیں محبت و شفقت کا رابطہ قائم کیا ہے۔ دونوں احترامِ آدمیت میں مساوی ہیں۔

سورۂ نساء کی اکیسویں آیت کے مطابق شادی ایک مضبوط عہد و پیمان اور ایک مقدس قول وقرار کا نام ہے۔ سورۂ نساء میں ہی ارشادِ قدرت ہے۔

یایھا الذین امنوا لا یحل لکم ان ترثوا النسآ کرھاً ط)

''اے ایمان والو! تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بنو۔''

(سورہ نساء آیت ۱۹)

اس کا مطلب یہ ہے کہ شادی کے لئے فریقین کی رضامندی درکار ہے۔ شادی کے لئے مرد اور عورت دونوں کا راضی ہونا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ باپ بھی اپنی بیٹی کی مرضی کے خلاف اس کی شادی نہیں کرسکتا۔

صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے جو بیان کرتی ہے۔

''ایک عورت کی مرضی کے خلاف اس کے باپ نے اس کی شادی زبردستی کردی وہ عورت رسولِ اکرمؐ کے پاس چلی آئی۔ آپؐ نے اس نکاح کو فسخ کردیا۔''

ابنِ حنبل کی ایک حدیث (شمارہ حدیث ۲۴۶۹) میں بھی اسی طرح کا حکم ملتا ہے۔

''ایک لڑکی کے باپ نے اس کی زبردستی شادی کردی لڑکی بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئی اور شکایت کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تمہاری مرضی ہے چاہو تو نکاح کو باقی رکھو چاہو تو فسخ کردو۔''

پس شادی کے لئے لڑکے اور لڑکی دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔

اسلام میں عورت کو ''گھر کی بیوی'' (House Wife) کے بجائے ''ربتہ الدار (گھر کی مالکہ) (Home Maker) کی حیثیت حاصل ہے کیونکہ اس کی شادی گھر کے ساتھ نہیں ہوتی۔

اکثر لوگ اصطلاحات کو ان کے معانی سمجھے بغیر اپنا لیتے ہیں۔ "House Wife" کا مطلب ہے گھر کی بیوی۔ مجھے امید ہے کہ خواتین آئندہ خود کو "House Wife" کے بجائے "Home Maker" کہلانا پسند کریں گی۔

اسلام میں عورت کی شادی آقا سے نہیں ہوتی کہ وہ اس سے لونڈی یا نوکرانی جیسا سلوک کرے بلکہ برابری کی سطح پر مرد سے ہوتی ہے۔

ابنِ حنبل کی روایت کردہ احادیث (شمارہ حدیث ۷۳۶ اور ۷۳۹۶) کا مفہوم یہ ہے۔

''ایمان والوں میں سب سے اچھے وہ ہیں جو کردار اور برتاؤ میں اچھے ہیں اور جو اپنے اہل خانہ اور اپنی بیویوں کے حق میں اچھے ہوں۔''

اسلام مرد اور عورت کو مساوی حقوق دیتا ہے۔ اور قرآنِ پاک بڑے واضح انداز میں بیان کرتا ہے کہ مردوں اور عورتوں، بیویوں اور شوہروں کے ہر حوالے سے مساوی حقوق ہیں سوائے گھر کی سربراہی کے۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

(ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف ص وللرجال علیھن درجة ط والله عزیز حکیم)

''عورتوں کو بھی دستور کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک ''درجہ'' حاصل ہے۔'' (سورہ بقرہ آیت ۲۲۸)

میں اس بات سے پوری طرح متفق ہوں کہ اس آیت کا مفہوم اخذ کرنے میں اکثر مسلمان چوک گئے ہیں کیونکہ جب یہ آیت کہتی ہے کہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے تو ہمیں اس حکم کو اخذ کرنے کے لئے پورے قرآن کو نظر میں

رکھنا ہوگا صرف ایک آیت کو نہیں تو قرآنِ پاک سورۂ نساء میں ارشاد فرماتا ہے۔

(الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض و بمآ انفقوا من اموالھم ط)

" مردعورتوں پر نگہبان ہیں اس بناء پر کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور یہ کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔" (سورہ نساء آیت ۳۴)

بعض لوگ قوام سے بالادست اور حاکم مراد لیتے ہیں حالانکہ قوام کا لفظ اقامت سے نکلا ہے جیسے نماز سے پہلے اقامت ہوتی ہے جس کا مطلب ہے نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ پس "اقامت" کا مطلب "کھڑے ہونا ہے" لہٰذا "قوام" سے مراد ذمہ داری میں ایک درجہ زیادہ ہونا ہے نہ کہ حاکمیت ، بالادستی اور فضیلت کے اعتبار سے برتری۔ حتیٰ تفسیرِ ابنِ کثیر میں "ابنِ کثیر" لکھتے ہیں کہ "قوام" سے مراد ذمہ داری اور فرائض میں ایک درجہ زیادہ ہے نہ کہ فضیلت اور برتری میں۔ اور یہ ذمہ داری میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے روبہ عمل آئے گی۔

سورۂ بقرہ میں ارشادِ ربّ العزت ہے۔

(ھن لباس لکم وانتم لباس لھن ط)

" وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔"[1] (سورہ بقرہ آیت ۱۸۷)

لباس کا مقصد کیا ہے؟ پردہ اور زینت۔ میاں بیوی کو چاہیے کہ ایک دوسرے کے عیوب پر پردہ ڈالیں اور ایک دوسرے کو زینت بخشیں یہ چولی دامن کا ساتھ ہے۔

ا۔قرآن کریم میاں بیوی کے تعلق کے لیے یکساں تعبیر بیان کر رہا ہے۔ باہمی ربط و تعلق، زیب و زینت، گرم و سردِ زمانہ سے تحفظ اور ننگ و عار چھپانے کے لحاظ سے دونوں ایک دوسرے کے لیے لباس جیسی اہمیت رکھتے ہیں۔

ناپسندیدہ بیویوں سے بھی حسنِ معاشرت کا حکم

قرآنِ مجید ارشاد فرماتا ہے۔

(وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسٰی ان تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا)

" اور ان کے ساتھ اچھے انداز میں زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہیں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں تو پسند نہ ہو مگر اللہ اس میں بہت سی خوبیاں پیدا کردے۔" (سورہ نساء آیت ۱۹)

اگر آپ اپنی بیوی کو پسند نہیں بھی کرتے تو بھی اسلام حکم دیتا ہے کہ اس کے ساتھ حسنِ معاشرت ، نرمی اور خندہ پیشانی سے پیش آئیں۔

اب آپ منصفی کرلیں کہ اسلام بیویوں کو شوہروں کے برابر عطا کردہ ان حقوق کی بنا پر جدت پسندی کا علمبردار ٹھہراتا ہے یا قدامت پرستی کا۔

ماں کے حقوق:

اسلام میں ماں کے احترام سے بڑھ کر ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے "خدا کی عبادت" اور یہ قرآنِ کریم میں مذکور ہے۔

(وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا ط اما یبلغن عندک الکبر احدھمآ او کلٰھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولاً کریماً. واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما ربیٰنی صغیرا ط)

" اور تیرے پروردگار نے فیصلہ کردیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرد اور والدین کے ساتھ نیکی کرو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے پاس ہوں اور بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہنا اور انہیں مت جھڑکنا بلکہ ان کے ساتھ عزت و تکریم سے بات کرنا اور مہر و محبت کے ساتھ ان کے آگے انکساری کا پہلو جھکائے رکھو اور دعا کرو۔ پروردگار! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پالا تھا۔" (سورہ بنی اسرائیل آیات ۲۳۔۲۴)

قرآنِ کریم سورۂ نساء میں ارشاد فرماتا ہے۔

(واتقوا اللہ الذی تسآء لون بہ والارحام ط)

''اللہ کا خوف کرو جس کا نام لے کر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور ''ارحام[1] کے بارے میں بھی (پرہیز اور احتیاط کرو)''

سورۂ انعام میں بارِ دیگر ارشاد ہوتا ہے۔

(وبالوالدین احساناط)

''اور والدین پر احسان کرو۔'' (سورہ انعام آیت ۱۵۱)

قرآن مجید ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔''

(ووصینا الانسان بوالدیہ ج حملتہ امہ وھنا علی وھن وفصلہ فی عامین ان اشکرلی ولوالدیک ج الی المصیر)

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں نصیحت کی۔ اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری سہ کر اسے اُٹھایا اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے (نصیحت یہ ہے) کہ میرا شکر بجا لاؤ اور اپنے والدین کا بھی۔ بازگشت میری ہی طرف ہے۔'' (سورہ لقمان آیت ۱۴)

یہی قرآنی نصیحت سورہ احقاف میں یوں دہرائی گئی ہے۔

ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا ط حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا ط وحملہ وفصلہ ثلثون شھراً ط''

''اور ہم نے انسان کو ماں باپ پر احسان کرنے کا حکم دیا۔ اس کی ماں نے تکلیف سہہ کر اسے پیٹ میں اٹھائے رکھا اور تکلیف اٹھا کر اسے جنا اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگ جاتے ہیں۔''

۱۔ارحام رحم کی جمع ہے۔ مراد رشتے داریاں ہیں جو رحمِ مادر کی بنیاد پر ہی قائم ہوتی ہیں اس سے محرم اور غیر محرم دونوں رشتے مراد ہیں۔ رشتوں ناتوں کا توڑنا سخت کبیرہ گناہ ہے جسے قطع رحمی کہتے ہیں۔ احادیث میں قرابت داریوں کو ہر صورت میں قائم رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید اور فضیلت بیان کی گئی ہے جسے صلہ رحمی کہتے ہیں۔

احمد اور ابن ماجہ سے مروی حدیث کے مطابق

''جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔''

اس کا مطلب یہ نہیں کہ راہ چلتے ہوئے اگر ماں کے پاؤں کے نیچے غلاظت اور نجاست آ جائے تو وہ جنت بن جائے گی بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر آپ اپنی ذمہ داریاں نبھاتے ہیں، ماں کی تکریم کرتے ہیں، نرمی اور حسن سلوک روا رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آتے ہیں تو انشاء اللہ آپ بہشت میں جائیں گے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ماں کی عظمت کی بابت ایک حدیث کا مفہوم کچھ یوں ہے۔

''ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: کون میری محبت، عزت و تکریم اور خدمت کا سب سے زیادہ حقدار ہے؟ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا تیری ماں۔ اس کے بعد؟ تیری ماں۔ اس کے بعد؟ تیری ماں۔ اس شخص نے چوتھی بار پوچھا: اس کے بعد؟ تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا تیرا باپ۔

گویا پچھتر فیصد محبت و عزت کا استحقاق ماں کا اور پچیس فیصد باپ کا ہے۔ تین چوتھائی محبت اور عزت ماں کا اور ایک چوتھائی باپ کا حصہ ہے مختصر لفظوں میں سونے، چاندی اور کانسی کے تمغے ماں کے نام اور باپ کے لئے حوصلہ افزائی کا انعام۔

اسلام میں بہن کے حقوق

سورۂ توبہ میں ارشادِ قدرت ہے۔

(والمومنون والمئومنات بعضھم اولیاء بعض)

''اور مومن مرد اور مومنہ عورتیں ایک دوسرے کے (مددگار و معاون اور) دوست ہیں۔''
(سورہ توبہ آیت ۷۱)

اس آیت میں'' اولیا'' سے مراد مددگار و معاون اور دیکھ بھال کرنے والے ہیں۔ بالفاظ دیگر اگر مومنین اور مومنات میں کوئی اور رشتہ نہ ہو تو وہ ایک دوسرے کے بہن بھائی ہیں۔

رسول گرامیؐ نے عورت کو '' شقیقۃ'' کا نام دیا ہے۔ شقیقہ کا مطلب 'بہن' ہے اس کا مطلب '' نصف '' بھی ہے جیسے بنی نوع انسان دو نصف (صنف نازک اور صنف قوی) میں تقسیم ہے پس اس سے مراد بہن بھی ہو سکتی ہے اور نصف بھی۔

اسلام میں عورت کے اس قدر معاشرتی حقوق ہیں کہ ہم ہفتوں گفتگو کر سکتے ہیں لیکن قلت وقت کی بنا پر میں چند اہم موضوعات جیسے تعدد ازدواج اور طلاق پر گفتگو نہیں کروں گا کیونکہ میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ یہ موضوعات سوال و جواب کی نشست میں ضرور چھیڑے جائیں گے انشاء اللہ اس وقت ان پر بات ہوگی۔

اسلام میں عورت کے تعلیمی حقوق

اب ہم اسلام میں عورت کو حاصل تعلیمی حقوق پر بات کریں گے۔
قرآنِ پاک کی سب سے پہلے نازل ہونے والی پانچ آیات جو سورہ علق کا حصہ ہیں میں ارشادِ رب العزت ہے۔

(اقراء باسم ربک الذی خلق. خلق الانسان من علق. اقراء وربک الاکرم . الذی علم بالقلم. علم الانسان مالم یعلم ط)

''(اے رسولؐ) پڑھیے! اپنے پروردگار کے نام سے جس نے خلق کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھیے! اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی۔ جس نے انسان کو وہ علم سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔'' (سورہ علق آیات ۱۔۵)

قرآن سب سے پہلے علم کی بات کرتا ہے

قرآن مجید میں انسان کو دی جانے والی سب سے پہلی ہدایت نماز کی بابت نہیں تھی۔ روزے اور صدقات کے بارے میں نہیں تھی بلکہ علم کی بابت تھی۔ اسلام علم کو غایت درجے کی اہمیت دیتا ہے۔
پیغمبرِ گرامیؐ نے والدین کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو زیورِ تعلیم سے

آراستہ کریں اور شادی کے بعد شوہر کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کی دینی تعلیم کا بندوبست کرے۔ اگر بیوی پڑھنا چاہتی ہو اور شوہر خود نہ پڑھا سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ بیوی کو حصولِ علم کے لئے مناسب جگہ جانے کی اجازت دے۔

صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق خواتین حصولِ علم کا ازحد اشتیاق رکھتی تھیں اور ایک دفعہ انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا آپؐ تقریباً ہر وقت مردوں میں گھرے رہتے ہیں ایک دن ہمارے لئے مختص فرما دیجئے تاکہ ہم (خواتین) آپ سے سوالات کرسکیں۔ جناب رسالتمآبؐ نے ان کی استدعا منظور فرمائی۔ پیغمبر گرامیؐ نے خواتین کو تعلیم دینے کے لئے بنفسِ نفیس تشریف لے جانے کے ساتھ ساتھ دیگر صحابہ کرامؓ کو بھی بھیجا۔

ذرا غور فرمایئے چودہ سو سال قبل عورت کی تعلیم تو ایک طرف، اس سے بدسلوکی روا رکھی جاتی تھی اور اسے جنسِ تجارت اور موروثی جاگیر سمجھا جاتا تھا، اسلام عورت کی تعلیم کی بات کرتا ہے۔

ہمارے پاس متعدد مسلمان خواتین دانشوروں کی مثالیں موجود ہیں اور بہترین مثال جو میں آپ کو دے سکتا ہوں حضرت عائشہؓ کی ہے۔ آپؓ اسلام کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اور امہات المومنینؓ میں سے ہیں۔ آپ نے صحابہ کرامؓ حتیٰ کہ خلفائے راشدین تک کو رہنمائی سے نوازا۔

آپؓ کے مشہور شاگرد عروۃ بن زبیرؓ کہتے ہیں۔ میں نے تاریخِ عرب میں قرآن فہمی، فرائض، معاملاتِ حلال وحرام، ادب اور شاعری میں حضرت عائشہؓ سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔

وہ نہ صرف مذہبی امور میں مہارت رکھتی تھیں بلکہ طب کی بھی گہری سوجھ بوجھ رکھتی تھیں جب کبھی بیرونی وفد آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گفتگو کرتے آپؓ علم وحکمت کی باتیں حفظ کرلیتیں۔ آپؓ علم حساب میں بھی ماہر تھیں متعدد بار

صحابہ کرامؓ آپؓ سے میراث کے مسائل پوچھنے آتے کہ ترکے میں کتنے حصے دار ہوں گے اور ہر حصہ دار کو انفرادی طور پر کتنا حصہ ملے گا اور آپؓ نے جوابات سے نوازا۔ صحابہ کرامؓ کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ آپ نے خلفائے راشدین سے بھی صلاح[1] مشورہ کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کی کئی بار اصلاح فرمائی۔ آپؓ نے بذاتِ خود ۲۲۱۰ احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ جو خود ایک مشہور عالم تھے کہتے ہیں: جب کبھی صحابہؓ کو کسی معاملے میں کم علمی کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ حضرت عائشہؓ سے رجوع کرتے اور وہ ان کی رہنمائی فرماتیں۔ کہا جاتا ہے کہ ۸۸ سے زائد علما نے آپ سے کسبِ فیض کیا گویا آپ "معلمة العلماء" (Scholar of Scholars) تھیں۔

متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جیسے اُم المومنین حضرت صفیہؓ علم فقہ کی ماہر تھیں اور امام نوویؒ کے مطابق وہ اپنے عہد کی دانشمند ترین خاتون تھیں۔

اسی طرح ام المومنین حضرت امِ سلمیٰؓ کی روشن مثال ہمارے سامنے موجود ہے ابن حجر کے بقول ۳۲ علماء نے آپ سے اکتسابِ علم کیا۔

اور بھی کئی مثالیں ہیں حضرت فاطمہؓ بنت قیس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پورا دن حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے فقہی بحث کرتی رہیں اور وہ دونوں حضرت فاطمہؓ بنت قیس کو غلط ثابت نہ کرسکے۔ امام نوویؒ کا کہنا ہے کہ حضرت فاطمہؓ بنت قیس اولین مہاجرین میں سے تھیں اور عمیق علمی شخصیت کی حامل ہیں۔

ایک اور مثال حضرت اُم سلیمؓ کی ہے جو حضرت انسؓ کی والدہ ہیں ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دعوت وتبلیغ میں خاصی ماہر تھیں۔

۱۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق جب حضرت عائشہؓ سے موزوں پر مسح کے بارے میں سوال کیا گیا تو حضرت عائشہ نے جواب فرمایا: "انت علیا فانه اعلم بذلک منی، فاتیت علیا، فذکر عن النبیؐ بمثله" (صحیح مسلم، الطہارۃ، باب التوقیت فی المسح علی الخفین، ح: ۲۷۶) حضرت علی سے پوچھو وہ اس مسئلہ کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔

ایک اور مثال حضرت سیدہ نفیسہؒ کی ہے جو حضرت حسن کی پوتی ہیں ان کے بارے میں مشہور ہے کہ امام شافعیؒ نے ان سے علم حاصل کیا جو ایک فقہی مکتب کے بانی ہیں۔

اسلام میں خواتین دانشوروں کی ڈھیروں مثالیں موجود ہیں حتیٰ ام الدرداء جو ابو الدرداء کی زوجہ ہیں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جدید علوم میں خاص مہارت رکھتی تھیں اور امام بخاری کا یہ کہنا ہے کہ وہ اپنے حیطہء علمی میں ماہر تھیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب عورتوں کے ساتھ نہایت بُرا سلوک روا رکھا جاتا تھا جب بچیوں کے پیدا ہوتے ہی انہیں زندہ درگور کردیا جاتا تھا اس وقت خیمہء اسلام میں طب ، جدید علوم اور مذہب سے شغف رکھنے والی دانشور خواتین موجود تھیں کیونکہ اسلام ہر عورت کو علم حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے کیا اب بھی آپ اسلام میں عورتوں کو حاصل حقوق کو فرسودہ کہیں گے؟

آیئے اب اسلام میں عورت کے قانونی حقوق کا جائزہ لیتے ہیں۔

اسلام میں عورت کے قانونی حقوق

اسلامی قانون کے مطابق مرد اور عورت برابر ہیں۔ شریعت مرد اور عورت دونوں کی جان و مال کو تحفظ فراہم کرتی ہے۔ اگر کوئی مرد کسی عورت کو قتل کردے تو اس مرد کو بھی قتل کیا جائے گا جو ''قصاص''[1] کی انتہائی سزا ہے۔

سورۂ بقرہ میں ارشادِ قدرت ہے:

(یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ ط الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ ط فمن عفی لہ من اخیہ شئی فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان ط ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ ط فمن اعتدیٰ بعد ذلک فلہ عذاب الیم ط ولکم فی القصاص حیوۃ یاولی الالباب لعلکم تتقون)

''اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔[2] ہاں اگر قاتل کو اس کے بھائی کی

۱۔ یہودیوں کے ہاں قصاص ایک لازمی اور ناقابلِ تلافی سزا ہے۔ ملاحظہ ہو خروج ۲۱، ۲۲، عدد ۳۵۔ عیسائی کہتے ہیں: قصاص کی سزا فقط خاص حالات میں دی جاسکتی ہے۔ اسلام نے یہاں عادلانہ اور فراخدلانہ راہ اختیار کی ہے اور تین راہوں میں سے ایک راہ اختیار کرنے کا حق دیا ہے۔ ۱۔ قصاص یعنی خون کا بدلہ۔ ۲۔ دیت یعنی خون کا بدلہ خون۔ ۳۔ معافی یعنی خون نہ دیت۔

۲۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مرد اگر عورت کو قتل کردے تو قصاص میں کوئی عورت قتل کی جائے گی یا عورت مرد کو قتل کردے تو کسی عورت کو قتل کیا جائے گا (جیسا کہ ظاہری الفاظ سے مفہوم نکلتا ہے) قصاص میں قاتل ہی کو قتل کیا جائے گا چاہے مرد ہوں یا عورت، طاقتور ہو یا کمزور النفس بالنفس (مائدہ: ۴۵)

طرف سے (قصاص کی) کچھ چھوٹ مل جائے تو اچھے پیرائے میں (دیت کا) مطالبہ کیا جائے اور (قاتل کو چاہیے کہ) وہ حسن و خوبی کے ساتھ اسے ادا کرے یہ تمہارے رب کی طرف سے ایک قسم کی تخفیف اور مہربانی ہے، پس جو اس کے بعد بھی زیادتی کرے گا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور اے عقل والو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے[1] امید ہے تم (اس قانون کے سبب) بچتے رہو گے۔" (سورہ بقرہ آیات ۱۷۸۔۱۷۹)

اسی طرح اگر عورت قتل کرے تو اس کے لئے بھی قتل کی سزا ہے۔ اسلامی قانون قصاص کے مطابق مرد اور عورت ایک جیسی پاداش کے سزاوار ہیں۔

اگر مقتول کی وارث عورت ہو اور وہ قاتل کی جان بخشی کرتے ہوئے "دیت" کا مطالبہ کرے تو ضروری ہے کہ یہ مطالبہ پورا کیا جائے۔

اگر مقتول کے ورثاء میں اختلاف رائے ہو کہ کچھ کہیں خون کا بدلہ خون اور کچھ کہیں کہ معاف کر کے دیت لے لینی چاہیے تو لوگوں کو چاہیے کہ ورثا کو خون کے بدلے خون سے روکیں قطع نظر اس سے کہ یہ رائے مرد کی ہے یا عورت کی۔ دونوں کی برابر اہمیت ہے۔

سورۂ مائدہ میں ارشادِ رب العزت ہوتا ہے:

۱۔ جو لوگ قصاص کو جانوں کے تلف کرنے کا اعادہ اور جذبہء انتقام کا فروغ تصور کرتے ہیں ان کی نظر میں قصاص صرف قاتل اور مقتول تک حدود ہے جبکہ قصاص کا تعلق پوری انسانیت سے ہے اور اس قانون سے قتل میں کمی واقع ہو جاتی ہے خواہ قصاص عملاً معاف ہو جائے یا دیت لے لی جائے۔ نیز قصاص اندھا انتقام نہیں بلکہ یہ ایک مہذب قانون ہے چنانچہ مقتول کے وارثین کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خود قاتل سے انتقام لیں وارثین عدالت سے رجوع کریں گے اور اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ قانونِ قصاص پر عمل کرائے خواہ مقتول کا کوئی وارث ہو یا نہ ہو اس کے علاوہ اپنے مال و جان کا دفاع ایک فطری اور مسلمہ حق ہے چنانچہ جب دفاع میں قتل ہونے سے پہلے قتل کرنا جائز ہے تو قصاص میں قتل واقع ہونے کے بعد قتل کرنا کیسے جائز نہیں ہوگا۔

"والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما جزآءً بما کسبا نکالاً من الله ط"

"اور چوری کرنے والے اور چوری کرنے والی کے ہاتھ کاٹ دو[1] ان کی کمائی کی پاداش اور خدا کی طرف سے عبرت کے طور پر۔" (سورہ مائدہ آیت ۳۸)

یعنی چور کے لئے اس سے قطعِ نظر کہ مرد ہے یا عورت، قطعِ ید کی سزا ہے۔

سورۂ نور میں ارشاد خداوندی ہے کہ

(الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة ص ولا تاخذکم بهما رافة فی دین الله ان کنتم تومنون بالله والیوم الاخر ج)

"زناکار عورت اور زناکار مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور دینِ خدا کے معاملے میں تمہیں ان پر ترس نہیں آنا چاہیے اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو" (سورہ نور آیت ۲)

اسلام میں زنا کی سزا سو کوڑے ہے چاہے زناکار مرد ہو یا عورت کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسلام میں مرد اور عورت کی سزا برابر ہے۔

اسلام میں عورت گواہ ہو سکتی ہے:

اسلام میں عورت کو گواہی کا حق حاصل ہے۔ ذرا تصور کیجئے گا کہ اسلام عورت

۱۔ حد کی تعریف: عربی لغت میں حد کے معنی ہیں "روکنا، منع کرنا" جب کسی چیز کی جامع و مانع تعریف کی جائے تو اسے "حد" اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دوسری اشیاء کو اس میں داخل ہونے سے روکتی ہے فقہی اصطلاح میں حنفیہ نے حد کی تعریف یوں کی ہے۔ (عقوبة مقدرة واجبة حقا لله تعالی) یعنی وہ مقررہ سزا جو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر واجب ہو قرآن کریم نے مندرجہ ذیل چار جرائم کی سزائیں بیان کی ہیں۔ (۱) زنا۔ (۲) قذف (۳) چوری۔ (۴) حرابہ۔ قصاص حد میں شامل نہیں کیونکہ وہ اگرچہ مقرر ہے لیکن وہ بندے کا حق ہے یعنی اسے معافی اور مصالحت کا اختیار ہے تعزیر کی تعریف: اس کے اصلی معنی "روکنا" ہے۔ اصطلاح میں تعزیر سے ایسی سزا مراد ہے جو شریعت نے مقرر نہ کی ہو، خواہ اللہ کا حق ضائع کرنے پر دی جائے یا کسی انسان کی حق تلفی پر، تعزیر ایسے گناہ پر دی جاتی ہے جس میں نہ حد کی سزا ہو نہ اس کا کفارہ۔

کو چودہ سو سال پہلے گواہی کا حق دے رہا ہے اور ۱۹۸۰ء کے آس پاس یہودی ربی اس مسئلے پر غور کر رہے تھے کہ عورت کو گواہی کا حق دیا جائے یا نہیں جبکہ اسلام نے چودہ صدیاں پیشتر یہ حق دے دیا تھا۔

سورۂ نور میں ہی ایک اور حکم بیان کیا گیا ہے

(والذین یرمون المحصنٰت[1] ثم لم یاتوا باربعة شهدآء
فاجلدوهم ثمنین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا ۚ
واولئک هم الفٰسقون)

''اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں پھر اس پر چار گواہ نہ لائیں پس انہیں اسی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور یہی فاسق لوگ ہیں۔'' (سورہ نور آیت ۴)

اسلام میں چھوٹے جرم کے اثبات کے لئے دو اور بڑے جرم کے اثبات کے

۱۔محصنٰت احصان سے ماخوذ ہے جس کا مادہ حصن ہے۔ احصان کسی چیز کی حفاظت کرنا، اسے محفوظ رکھنا۔ پس مراد ایسی عورت جو پاکدامن ہو اور اپنی عفت کی حفاظت کرتی ہو۔ عورت کی پاکدامنی دو طرح ہوتی ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ غیر شادی شدہ ہو اور اپنی عفت کو محفوظ رکھے اور دوسری یہ کہ وہ شادی کر کے صرف ایک مرد سے وابستہ ہو جائے۔ قرآن کریم میں المحصنٰت کا لفظ تین معانی میں استعمال ہوا ہے۔ (۱) شوہر دار عورت: والمحصنٰت من النساء (النساء: ۲۴) ''تم پر شوہر دار عورتیں حرام ہیں۔'' (۲) آزاد عورت: ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنٰت المومنات (النساء: ۲۵) ''تم میں سے جو کوئی آزاد اہلِ ایمان عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا تو وہ اہلِ ایمان باندیوں سے نکاح کر لے۔'' (۳) پاک دامن عورت خواہ شادی شدہ ہو یا کنواری: متن میں مذکور آیت شاہد مثال ہے۔ قرآنِ کریم کی رُو سے محصنہ ہونے کے لیے اسلام کی شرط نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن نے اہلِ کتاب پاک دامن عورتوں کو بھی محصنٰت قرار دیا ہے۔ ''والمحصنٰت من الذین اوتو الکتاب من قبلکم'' (المائدۃ: ۵) ''اور پاک دامن عورتیں ان اہلِ کتاب میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی، تمہارے لیے حلال ہیں۔''

لئے چار گواہ درکار ہوتے ہیں۔ اسلام عورت پر جھوٹے[1] الزام کو بڑا جرم تصور کرتا ہے اسی لئے چار گواہوں کو پیش کرنا لازم قرار دیتا ہے۔

آج کل جدید معاشرے میں عورتوں پر الزام ودشنام عام ہے۔ انہیں بدکردار اور طوائف تک کہہ دیا جاتا ہے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ لیکن ایک اسلامی ریاست میں اگر کوئی عورت کو بدکردار کہے اور وہ عورت اسے عدالت میں لے جائے اور وہاں وہ چار گواہ پیش نہ کر سکے یا چاروں میں سے ایک بھی درست شہادت نہ دے سکے تو ان سب کو اسی اسی کوڑے مارے جائیں گے اور آئندہ ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

اسلام عورت کی عفت کو غایت درجے کی اہمیت دیتا ہے۔ عام طور پر عورت شادی کے بعد اپنے شوہر کا نام اپنا لیتی ہے لیکن اسلام میں عورت کو اختیار ہے چاہے تو اپنے شوہر کا نام استعمال کرے چاہے تو شادی سے پہلے والے نام کو برقرار رکھے اور اسلام میں شادی سے پہلے والے نام کو ترجیح حاصل ہے اور ہم متعدد مسلم معاشروں میں دیکھتے ہیں کہ عورت شادی کے بعد شادی سے پہلے والے نام کو برقرار رکھتی ہے کیونکہ اسلامی قانون کے مطابق مرد اور عورت برابر ہیں۔

آپ ان حقوق کو تجدد پسندانہ کہیں گے یا فرسودہ؟

۱۔کسی پاک دامن عورت پر تہمت لگانے کو اصطلاحاً قذف کہتے ہیں۔ قذف کے لغوی معنی ''تہمت لگانا، گالی گلوچ دینا'' ہیں اور اصطلاحی معنی ہیں ''کسی پاک دامن پر زنا کی تہمت لگانا یا اس کے نسب کا انکار کرنا۔ (عبدالقادر عودہ: التشریع الجنائی الاسلامی، ۲: ۲۵۵: الفقہ الاسلامی والدلۃ، ۵۳۹۷) اس تعریف کی رُو سے کوئی بھی شخص کسی پاکدامن فرد پر زنا کا الزام عائد کرتا ہے یا اس کے معلوم نسب کا انکار کرتا ہے تو وہ قذف کا مرتکب ہے، خواہ وہ نیک نیتی سے ایسا کرے، اپنی تحقیق کی بنا پر، اپنے علم کے مطابق، دوستی، محبت اور پیار میں یا کسی بھی طریقے سے ایسے الفاظ ادا کرنا قذف ہے بعید نہیں ہے کہ معاشرے میں رائج ماں بہن کی گالیاں بھی قذف شمار ہوتی ہیں۔ قرآن کریم نے قذف کی سزا اسّی کوڑے بتاتے ہوئے دو ہی شرائط ذکر کی ہیں۔ (۱) جس عورت پر تہمت لگائی گئی ہے وہ محصنہ ہو۔ (۲) تہمت لگانے والا چار گواہ پیش نہ کر سکے۔

اسلام میں عورت کے سیاسی حقوق

سورۂ توبہ میں ارشادِ قدرت ہے

(والمومنون والمومنٰت بعضھم اولیآء بعض)

''مومن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار و معاون اور) دوست ہیں۔''
(سورۂ توبہ آیت ۷۱)

معاشرتی سطح پر ہی نہیں سیاسی سطح پر بھی مومن مرد اور مومنہ عورتیں ایک دوسرے کے معاون ، مددگار اور دوست ہیں پس سیاسی طور پر بھی مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی مدد اور تعاون کرنا چاہیے۔

اسلام عورت کو حق رائے دہی دیتا ہے:

اسلام میں عورت کو ووٹ (رائے) کا حق حاصل ہے۔ قرآنِ مجید سورۂ ممتحنہ میں ارشاد فرماتا ہے۔

(یایھا النبی اذا جآء ک المومنٰت یبایعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین

ایدیھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفرلھن اللہ ط ان اللہ غفور رحیم)

''اے نبیؐ! جب مومنہ عورتیں اس بات پر آپ سے بیعت کرنے آپ کے پاس آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کا ارتکاب کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی اور نیک کاموں میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو ان سے بیعت[1] لے لیں اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کریں۔ اللہ یقیناً بڑا بخشنے والا اور رحیم ہے۔'' (سورہ ممتحنہ آیت ۱۲)

یہاں عربی لفظ ''بیعت'' استعمال ہوا ہے اور یہ آج کل کے انتخاب (Election) سے کہیں بڑھ کر جامع اور وسیع مفہوم رکھتا ہے کیونکہ ختمی مرتبتؐ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے رسول نہیں تھے بلکہ ریاست کے سربراہ بھی تھے اور عورتوں کا اس طرح آنا اور بیعت کرنا انہیں سربراہِ مملکت تسلیم کرنے کا طریقہ تھا۔ لہٰذا اسلام نے عورت کو ووٹ کا حق بھی دیا ہے۔

عورت اور قانون سازی:

اسلام میں خواتین قانون سازی میں حصہ لے سکتی ہیں ایک مشہور روایت کے مطابق حضرت عمرؓ صحابہ کرامؓ سے بحث مباحثہ کر رہے تھے اور چاہ رہے تھے کہ حق مہر کی زیادہ سے زیادہ مالیت کی حد مقرر کردی جائے کیونکہ نوجوانوں کے لئے نکاح امرِ دشوار ہوتا جارہا تھا کہ اسی اثناء میں عقب سے ایک عورت معترض ہوئی اور کہنے لگی جب قرآن سورۂ نسا میں ارشاد فرماتا ہے۔

۱۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: اللہ کی قسم بیعت میں نبی ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ بیعت کرتے وقت آپؐ صرف یہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان باتوں پر تجھ سے بیعت لے لی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۂ ممتحنہ)

(وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واتیتم احداھن قنطاراً افلا
تاخذوا منه شیئاً ط)

''اگر تم لوگ ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا ہی چاہو اور ایک کو بہت سا مال دے بھی چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لینا۔'' (سورہ نساء آیت ۲۰)

اور قرآن مہر کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر نہیں کرتا تو عمرؓ کون ہوتا ہے حد مقرر کرنے والا۔

اور حضرت عمرؓ فوراً کہنے لگے کہ عمرؓ غلط ہے اور یہ عورت صحیح ہے۔ ذرا تصور کیجئے کہ وہ عام خاتون تھی کیونکہ اگر وہ کوئی مشہور خاتون ہوتی تو اس کا نام حدیث میں مذکور ہوتا۔ جب حدیث میں اس خاتون کا نام ذکر نہیں کیا گیا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کوئی عام عورت تھی یعنی ایک عام عورت بھی خلیفۂ وقت پر معترض ہو سکتی ہے جو کہ ریاست کا بادشاہ ہوتا ہے اور تکنیکی اصطلاحات کے حوالے سے دیکھیں تو یوں کہا جائے گا کہ وہ عورت ''آئین کی خلاف ورزی'' پر اعتراض کر رہی تھی کیونکہ قرآن کریم مسلمانوں کا آئین ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت قانون سازی میں بھی حصہ لے سکتی ہے۔

عورتیں اور میدان جنگ:

عورتیں میدانِ جنگ میں بھی سرگرم عمل رہی ہیں۔ صحیح بخاری میں باقاعدہ پورا ایک باب عورتوں کی میدانِ جنگ میں خدمات کے بارے میں ہے کہ عورتیں پانی پلاتیں اور زخمیوں کو طبی امداد مہیا کرتیں اور نصیبہؓ نام کی صحابیہ کا خاص طور پر ذکر ملتا ہے جو ان چند جاں نثاروں میں سے تھیں جنہوں نے غزوۂ احد میں جناب رسالت مآب ﷺ کی حفاظت کی تھی۔

چونکہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے کہ مرد عورت کا نگہبان ہے اس لئے عام

حالات میں عورتوں کو میدانِ جنگ میں نہیں جانا چاہیے یہ فریضہ مرد کا ہے مگر ناگزیر صورتحال میں عورتیں میدانِ جنگ میں سرگرم عمل ہو سکتی ہیں والا نہیں۔ بصورتِ دیگر ای صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے گا جس سے امریکہ دوچار ہے۔

امریکہ میں عورتوں کو جنگ میں حصہ لینے کی اجازت 1901ء سے حاصل ہے لیکن وہ براہِ راست جنگ میں حصہ لینے کی مجاز نہیں تھیں بلکہ وہ زخمیوں کی تیمارداری (Nursing) کرتی تھیں لیکن بعد ازاں 1973ء میں شروع ہونے والی تحریکِ نسواں نے مطالبہ کیا کہ عورتوں کو جنگ میں فعال کردار ادا کرنے کی اجازت دی جائے لہٰذا امریکی حکومت نے ۱۹۷۲ء کے بعد عورتوں کو جنگ میں مکمل طور پر شرکت کی اجازت دے دی۔ ۲۳ اپریل ۱۹۹۳ء کو محکمہ دفاع کی جاری کردہ رپورٹ کے مطابق ۹۰ افراد کے ساتھ جبری بدکاری کی گئی جن میں سے ۸۳ خواتین تھیں ۱۱۷ افسروں کے خلاف انضباطی کارروائی عمل میں آئی۔ تصور کیجئے کہ ایک اجتماع میں ۸۳ خواتین کے ساتھ جبری بدکاری کی گئی۔ ان ۱۱۷ افسروں کا مبینہ جرم کیا تھا؟

انہوں نے عورتوں کو بھگایا ان کے کپڑے پھاڑے ان سے بالکل برہنہ حالت میں پریڈ کرائی اور مجمعِ عام میں ان کے ساتھ جبری بدکاری کی کیا انہیں آپ ''حقوقِ نسواں'' کہتے ہیں؟

اگر یہ ہیں عورتوں کے حقوق تو انہیں اپنے پاس ہی رکھیے۔ ہم اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں چاہتے ہرگز نہیں۔

پارلیمنٹ میں اس معاملے پر واویلا مچا اور امریکی صدر ''بل کلنٹن'' نے بذاتِ خود معافی مانگی۔ عوام سے معافی اور کہا ضروری کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ جب سیاستدان کہے کہ ضروری کارروائی عمل میں لائی جائے گی تو ہوتا کیا ہے!!

لہٰذا اسلام صرف ناگزیر حالات میں خواتین کو جنگ میں حصہ لینے کی اجازت

دیتا ہے لیکن وہاں بھی انہیں اپنی عفت، اسلامی حجاب اور اسلامی اخلاق کی پاسداری کرنا ہوتی ہے۔

اپنی گفتگو سمیٹنے سے قبل میں ایک مثال دینا چاہوں گا جیسا کہ میں نے اپنی گفتگو کے آغاز میں کہا تھا کہ اسلام مرد اور عورت کے مابین مساوات پر یقین رکھتا ہے۔ مساوات سے مراد یکسانیت (بالکل ایک جیسا ہونا) نہیں ہے۔ فرض کیجئے ایک کلاس میں دو طالب علم (ا اور ب) پہلی پوزیشن حاصل کرتے ہیں۔ دونوں کے نمبر ۸۰ فیصد ہیں سو میں سے اسی۔ سینکڑوں طلبا میں سے دو طالب علم ''ا'' اور ''ب'' اول آئے ہیں جب آپ پرچہ سوالات کا جائزہ لیتے ہیں تو اس میں دس مختلف سوالات ہیں اور ہر سوال دس نمبر کا ہے۔ پہلے سوال میں طالب علم ''ا'' نے دس میں سے نو نمبر لئے ہیں اور طالب علم 'ب' نے دس میں سے سات نمبر حاصل کئے ہیں لہٰذا پہلے سوال میں طالب علم 'ا' طالب علم 'ب' سے بہتر ہے جبکہ دوسرے سوال میں 'ا' نے دس میں سے سات نمبر حاصل کئے ہیں اور 'ب' نے دس میں سے نو۔ چنانچہ سوال نمبر ۲ میں 'ب' 'ا' سے بہتر ہے۔ اور تیسرے سوال میں دونوں نے دس میں سے آٹھ آٹھ نمبر حاصل کئے ہیں لہٰذا دونوں برابر ہیں پس جب ہم تمام دس سوالوں کے نمبر جمع کرتے ہیں تو دونوں طالب علموں 'ا' اور 'ب' نے سو میں سے اسی نمبر حاصل کئے ہیں لہٰذا مجموعی طور پر 'ا' اور 'ب' برابر ہیں لیکن کچھ سوالوں میں 'ا' بہتر ہے اور کچھ سوالوں میں 'ب' اور کچھ میں دونوں برابر۔

مرد اور عورت کی مساوات میں بھی متذکرہ بالا مثال والا معاملہ ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مرد کو زیادہ طاقت دی ہے فرض کریں گھر میں چور گھس آتا ہے تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ میں ''حقوقِ نسواں'' کا قائل ہوں چونکہ میں ''حقوقِ نسواں'' کا قائل ہوں چنانچہ اپنی ماں بہن یا بیٹی سے کہوں کہ وہ چور سے مقابلہ کریں۔ ہرگز نہیں بلکہ آپ خود بخود اس چور سے مقابلہ کریں گے ہاں خواتین بوقتِ ضرورت یا

بقدرِ امکان مدد تو کر سکتی ہیں لیکن مقابلہ مرد ہی کرے گا چونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مرد کو زیادہ قوی اور مضبوط خلق فرمایا ہے لہٰذا بدنی قوت کے لحاظ سے مرد عورت سے ایک درجہ بہتر ہے۔

اب ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے جب اسلام میں والدین کے احترام کا مرحلہ آتا ہے تو بچوں پر فرض ہے کہ وہ ماں کو باپ کی نسبت تین گنا احترام اور محبت دیں۔ یہاں عورت مرد سے برتر ہے۔ پس مجموعی طور پر دونوں برابر ہیں۔

اسلام مساوات کا قائل ہے یکسانیت کا نہیں مرد اور عورت دونوں اسلام میں برابر ہیں۔

یہ مختصر گفتگو تھی تفصیلی نہیں جیسا کہ جسٹس قاضی نے کہا:

وقت مجھے بھی مفصل گفتگو کی اجازت نہیں دے رہا۔ یہ اسلام میں خواتین کے حقوق کے نمایاں اور چیدہ نکات تھے جو بیان کئے گئے ہیں۔

تاہم مسلمان معاشروں میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ الگ معاملہ ہے۔ بہت سے مسلمان معاشروں میں خواتین کو ان کے حقوق نہیں دیئے جاتے۔ وہ قرآن وسنت سے منحرف ہو چکے ہیں۔ مغربی معاشرہ بڑی حد تک اس صورتحال کا ذمہ دار ہے کیونکہ بہت سے مسلم معاشرے مغربی معاشرے (میں عورت) کی صورتحال کے ردِعمل کے طور پر غیر ضروری تحفظات اور تعصبات کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ یہ اس طرف کی انتہا پسندی ہے اور قرآن وسنت سے انحراف ہے۔

اور دوسری طرف کی انتہا پسندی یہ ہے کہ بعض مسلم معاشرے خود کو مغربی تہذیب وثقافت اپنانے کے ذریعے ترقی دے رہے ہیں میں مغربی معاشرے کو یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ اسلام میں خواتین کے حقوق کا جائزہ قرآن وسنت کی روشنی میں لیں تو آپ تسلیم کریں گے کہ یہ تجدد پسندی ہے رجعت پسندی نہیں۔

بزم سوال و جواب

یہ حصہ ڈاکٹر ذاکر نائک کے لیکچر کے بعد ان سے کئے گئے سوالات اور ان کے جوابات پر مشتمل ہے۔

سوال نمبر 1: اگر مردوں کے لئے جنت میں حوریں ہیں تو عورتوں کے لئے کیا ہے؟

جواب: قرآن کریم میں تقریباً چار مختلف مقامات پر لفظِ حور ذکر کیا گیا ہے۔
سورۂ دخان آیت ۵۴، سورۂ طور آیت ۲۰، سورۂ رحمٰن آیت ۷۲، سورۂ واقعہ آیت ۲۲۔

بہت سے تراجم اور خصوصاً اردو تراجم میں "حور" کا ترجمہ خوبصورت دوشیزہ کیا گیا ہے اگر حور سے مراد خوبصورت دوشیزہ ہو تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورت کو جنت میں کیا ملے گا؟

لیکن درحقیقت لفظِ "حور" احور اور حوراء کی جمع ہے۔ احور مذکر کے لئے بولا جاتا ہے اور حوراء مونث کے لئے۔ یہ بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں کی علامت ہے

اور آنکھ کی سفیدی کو خصوصیت کے ساتھ بیان کرتا ہے اور یہی حال لفظ ازواجِ مطہرۃ کا ہے جو سورۂ بقرہ آیت ۲۵ اور سورۂ نسا آیت ۵۷ میں ذکر ہوا ہے جس کا مطلب ہے ساتھی اور جوڑا لہٰذا لفظ حور کا صحیح ترجمہ محمد اسد نے Spouse(زوج) اور عبداللہ یوسف علی نے Companion(ساتھی) کی صورت میں کیا ہے لہٰذا حور کا صحیح ترجمہ چشم کشادہ ساتھی یا زوج ہے یہ مذکر بھی ہوسکتا ہے اور مونث بھی اس کی کوئی مخصوص جنس نہیں ہے پس مردوں کو خوبصورت آنکھوں والی دوشیزائیں ملیں گی اور عورتوں کو خوبصورت آنکھوں والے مرد۔

سوال نمبر 2: اسلام میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر کیوں ہے کیا اس سے مرد و عورت کی مساوات پر ضرب نہیں پڑتی؟

جواب: یہ بہت اہم سوال ہے کہ اسلام میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر کیوں ہے؟

تمام موارد میں دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے برابر نہیں سمجھا جاتا بلکہ چند مخصوص موارد میں ہی ایسا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں کم سے کم پانچ آیات ایسی ہیں جہاں بغیر کسی صنفی تفریق کے گواہی کی بات کی گئی ہے۔ سورہ بقرہ میں قرآن مجید دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے برابر لاتا ہے۔

(یا ایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمیٰ فاکتبوہ ط......
واستشھدوا شھیدین من رجالکم ج فان لم یکونا رجلین فرجل و امراتٰن
ممن ترضون من الشھدآء ان تضل احدھما فتذکر احدھما الاخریٰ ط"
"اے ایمان والو! جب کسی معینہ مدت کے لئے قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو...... اور تم

لوگ اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو (گواہ بناؤ) جن کو تم گواہ پسند کرو تا کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے۔[1]
(سورہ بقرہ آیت ۲۸۲)

یہ آیتِ کریمہ صرف مالی معاملات کے بارے میں بات کر رہی ہے۔ صرف مالی معاملات میں آپ دو مرد گواہوں کو ترجیح دیں اور اگر دو مرد گواہ نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ مقرر کرلیں۔

بہتر وضاحت کے لئے ایک مثال سے مدد لیتے ہیں فرض کریں کوئی شخص سرجری کروانا چاہتا ہے یا کوئی آپریشن کرانا چاہتا ہے تو وہ دو ماہر جراحوں (Surgeons) سے مشورہ کرے گا اور اگر دو ماہر جراح دستیاب نہ ہوں تو ایک ماہر جراح اور دو معالجوں (Practitioners) سے مشورہ کرے گا جو صرف ایم بی بی ایس ڈگری کے حامل ہیں کیونکہ ایک جراح جراحی (Surgery) کے شعبے میں ایک عام ایم بی بی ایس ڈاکٹر کی نسبت زیادہ آگاہ اور ماہر ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح مالی معاملات اور کفالت کی ذمہ داری چونکہ مرد کے ذمے ہے چنانچہ مالی معاملات میں دو مردوں کا گواہ ہونا بہتر ہے لیکن اگر دو مرد دستیاب نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔ اسی طرح سورۂ مائدہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

(یاایھا الذین امنوا شھادۃ بینکم اذا حضر احد کم الموت حین الوصیۃ اثنٰن ذوا عدل منکم)

"اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے تو وصیت کرتے وقت گواہی کے لیے تم میں سے دو عادل شخص موجود ہوں۔" (سورہ مائدہ آیت ۱۰۶)

۱۔ اس آیت سے یہ استشہاد کیا جاتا ہے کہ صرف مالی معاملات میں عورتیں گواہ ہو سکتی ہیں اور وہ بھی ایک مرد کے ساتھ دو عورتیں۔ جس کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ عورت کی گواہی آدھی ہے۔ جبکہ آیت خود بتا رہی ہے کہ اس کا تعلق گواہ بنانے سے ہے، اتفاقاً گواہ بن جانے سے نہیں ہے اور جب دو عورتوں کو گواہ بنایا جائے تو وہ دونوں عورتیں گواہی دینے کے لیے اکٹھی عدالت میں جائیں گی لیکن گواہی صرف ایک دے گی دوسری اس کی مدد کرے گی۔

یہاں بھی بات مالی معاملے ہی کی ہو رہی ہے تو مردوں کی گواہی[1] کو ترجیح دی گئی ہے بعض فقیہوں کی رائے میں حتیٰ کہ قتل کے معاملے میں بھی عورت کی طبعِ نازک اس کی شہادت میں روڑے اٹکا سکتی ہے اور وہ قتل کے معاملے میں خوفزدہ ہو سکتی ہے اس لئے قتل کے معاملے میں بھی دو خواتین کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔

فقط دو معاملات (مالی اور قتل) میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ چونکہ سورۂ بقرہ میں کہا گیا ہے کہ دو خواتین گواہ ایک مرد گواہ کے برابر ہیں (آیت ۲۸۲) لہٰذا ہر طرح کی صورتحال اور ہر طرح کے معاملے میں دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں۔

آیئے اس کا تجزیہ کریں میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہمیں قرآن کو مجموعی طور پر دیکھنا ہوگا۔ قرآن کریم سورۂ نور میں ارشاد فرماتا ہے۔

(والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھدآء الا انفسھم فشھادۃ احدھم

۱۔ آیہ، تداین پر بحث کرتے ہوئے ابنِ قیم اور محمود شلتوت نے اس نکتے پر بہت زور دیا ہے کہ یہاں قرآن کا اندازِ تخاطب ترغیب و ترجیح دلانے والا ہے نہ کہ حتمی اور فیصلہ کن حکم صادر کرنے والا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن ایک عورت کی گواہی کو خارج از امکان نہیں ٹھہراتا اور نہ ہی کسی مقدمہ میں خواتین کی مرد گواہ کے بغیر شہادت کو ناممکن خیال کرتا ہے۔ محمود شلتوت مزید لکھتے ہیں کہ حق و انصاف کے تقاضوں کی تکمیل کی خاطر تنہا ایک عورت کی شہادت یا بغیر مرد کے خواتین کی شہادت قابلِ قبول ہے۔ شلتوت ابنِ قیم کے ایک اور بیان کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شریعت ثبوت (بینہ) کا مطالبہ کرتی ہے تاکہ تنازعہ کا فیصلہ کیا جا سکے پس جج انصاف کے قیام کے لیے واقعاتی ثبوت پر بھروسہ کر سکتا ہے اگرچہ اس کی شہادت کوئی غیر مسلم یا کوئی عورت ہی کیوں نہ دے۔ شلتوت محمد عبدۂ کا حوالہ بھی دیتے ہیں کہ دو مردوں کے مقابلے میں ایک عورت کی گواہی کا قرآنی حوالہ اس زمانہ کے معاشرتی حالات پر مبنی تھا کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اس وقت خواتین تجارتی معاہدات اور کاروباری سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیا کرتی تھیں۔ (مساوات کا اسلامی تصور: محمد ہاشم کمالی ترجمہ لئیق نازلی)

اربع شھٰدٰت باللہ انہ لمن الصٰدقین ۔ والخامسۃ ان لعنۃ اللہ علیہ ان کان من الکٰذبین. ویدرئو اعنھا العذاب ان تشھد اربع شھٰدٰت باللہ انہ لمن الکٰذبین. والخامسۃ ان غضب اللہ علیھآ ان کان من الصٰدقین)

''اور جولوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا کوئی گواہ نہ ہوتو ان میں سے ایک شخص کی شہادت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور عورت سے سزا اس صورت میں ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ سچا ہے۔'' (سورہ نور آیات ۹-۶)

یعنی اگر شوہر اپنی بیوی یا بیوی اپنے شوہر پر الزام لگائے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو اس کی اپنی انفرادی گواہی کافی ہے۔ یہ آیت واضح طور پر بیان کر رہی ہے کہ ایک عورت کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔[1] متعدد موارد میں جہاں عورت اور مرد کی گواہی برابر ہے جیسے مثال کے طور پر رویتِ ہلال کا معاملہ ہی لے لیجیے ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ بعض فقہا کہتے ہیں کہ رمضان کا چاند دیکھنے کے لئے ایک اور عید کا چاند دیکھنے کے لئے دو شہادتیں درکار ہیں لیکن گواہ کے مرد یا عورت ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اور کتنے ہی موارد ایسے ہیں جہاں مرد کی گواہی سرے سے قابلِ قبول نہیں صرف عورت کی گواہی معتبر ہے۔ مثال کے طور پر مردہ عورت کو غسل دیئے جانے

ا۔ شیخ محمود شلتوت کے مطابق طلاق بوجہ لعان کے موضوع کے تحت قرآن خود مرد کی گواہی کو عورت کی گواہی کے برابر تسلیم کرتا ہے۔ اور انسانی عزت و وقار اور انصاف کے معاملے میں اسلام مرد، زن میں کوئی فرق روا نہیں رکھتا چونکہ اسلام عورت کی گواہی کو ممنوع قرار نہیں دیتا اور فی زمانہ عورت کی خواندگی اور تجارت و معاشیات کے شعبوں میں عمل دخل اور سمجھ بوجھ کی صورتحال بدل چکی ہے لہٰذا توقع کی جاسکتی ہے کہ عورت کی شہادت کسی بھی تناسب میں قابلِ قبول ہوگی۔ شہادت پیش کرنے کے لیے ایک معیار مطلوب ہے کیونکہ اس کے ذریعے انصاف قائم کیا جاتا ہے اور سچ کو ثابت کیا جاتا ہے اس لیے اس سلسلے میں کوئی غیر ضروری پابندی عائد نہیں کرنی چاہیے۔ (ایضاً)

کے معاملے میں عورت ہی کی گواہی معتبر ہے کیونکہ مردہ عورت کو عورت ہی غسل دے سکتی ہے صرف استثنائی صورت میں جب کوئی عورت دستیاب نہ ہو تو شوہر گواہی دے سکتا ہے۔ یہاں عورت کو ترجیح حاصل ہے۔

سوال نمبر 3: اسلام میں تعددِ ازدواج کی اجازت کیوں دی گئی ہے جس کی وجہ سے ایک مرد ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کر سکتا ہے؟

جواب: بہن نے سوال پوچھا ہے کہ اسلام میں تعددِ ازدواج کیوں جائز ہے جس کے باعث ایک مرد ایک سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے؟

Polygamy[1] (تعددِ ازدواج) سے مراد ہے ایک سے زیادہ شادیاں کرنا۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

ا۔ Polygyny[2] (تعددِ زوجات)

۲۔ Polyandry[3] (تعددِ ازواج)

ا۔ تعددِ زوجات (Polygyny) یعنی ایک مرد کا بیک وقت ایک سے زیادہ

ا۔ انگریزی لفظ Polygamy دو یونانی لفظوں Polus اور Gamos سے لیا گیا ہے اوّل الذکر کا مطلب ہے متعدد و کثیر اور مؤخر الذکر کا مطلب ہے شادی۔ یعنی تعددِ ازدواج۔

۲۔ یہ لفظ polus اور Gyne سے مرکب ہے۔ Gyne کا مطلب ہے عورت یعنی ایک مرد کی ایک سے زیادہ بیویاں۔ یعنی تعددِ زوجات۔

۳۔ یونانی زبان میں ''andr'' مرد اور شوہر کا معنی رکھتا ہے اور pouandria یعنی بہت سے شوہروں والی عورت۔ اسی سے Polyandry بنا ہے یعنی تعددِ ازواج۔ البتہ ازواج زوج کی جمع ہے اور عربی میں زوج نر اور مادہ دونوں کے لیے بولا جاتا ہے پس ازواج جہاں شوہروں کے لیے بولا جاسکتا ہے وہاں بیویوں کے لیے بھی بولا جا سکتا ہے چنانچہ ہم نبیؐ کی بیویوں کے لیے ازواج النبیؐ بولتے ہیں لہٰذا اگر کسی مہربان کو تعددِ ازواج (Polyandry) کے ترجمے کے طور پر پسند نہ ہو تو وہ تعددِ بعول یا تعددِ بعال کی اصطلاح استعمال کر سکتے ہیں۔

بیویاں رکھنا۔

۲۔ تعددِ ازداج (Polyandry) یعنی ایک عورت کا بیک وقت ایک سے زیادہ شوہر رکھنا۔

لوگ عام طور پر تعددِ ازدواج (Polygamy) سے صرف مرد کا بیک وقت ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا مراد لیتے ہیں جبکہ تعددِ ازدواج سے مراد دونوں صورتیں ہیں یعنی کسی کا ایک سے زیادہ شادیاں کرنا اگر مرد نے ایک سے زیادہ شادیاں کر رکھی ہیں تو اسے تعددِ زوجات (Polygyny) کہتے ہیں اور اگر عورت نے ایک سے زیادہ شادیاں کر رکھی ہیں تو اسے تعددِ ازداج (Polyandry) کہتے ہیں۔[1]

لیکن چونکہ بہن نے بنیادی طور پر ایک مرد کے ایک سے زیادہ شادیاں کر

۱۔ فقہِ اسلامی کی رُو سے نکاح کی تین اقسام ہیں۔ (۱) نکاحِ صحیح۔ (۲) نکاحِ فاسد۔ (۳) نکاحِ باطل۔ نکاحِ صحیح: وہ نکاح ہے جس میں نکاح کی تمام شرائط اور ارکان کی پابندی کی گئی ہو۔ نکاحِ فاسد: وہ نکاح ہے جس میں نکاحِ صحیح کی کوئی شرط مفقود ہو۔ نکاحِ باطل: وہ نکاح ہے جس میں نکاحِ صحیح کا کوئی رُکن مفقود ہو۔ نکاح کے ارکان اور شرائط میں فقہاء میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک نکاح کا صرف ایک رکن ہے اور وہ ہے ایجاب وقبول۔ نکاحِ صحیح کے لیے دس شرائط ہیں۔ (۱) عورت مرد کے لیے حرام نہ ہو۔ (۲) ایجاب وقبول کے الفاظ دائمی حیثیت کے حامل ہوں، نہ مدت مقرر کی گئی ہو اور نہ نکاحِ متعہ ہو۔ جمہورِ فقہاء کے نزدیک نکاحِ موقت اور متعہ دونوں باطل ہیں جبکہ امام زفر کے نزدیک نکاحِ موقت درست ہے اور وقت کے تعین کی شرط باطل ہے جبکہ امامیہ کے نزدیک نکاحِ متعہ جائز ہے۔ (۳) گواہی: جمہورِ فقہاء کے نزدیک نکاح کے لیے دو گواہوں کی موجودگی شرط ہے جبکہ امام مالک اور امامیہ کے نزدیک گواہی شرط نہیں ہے اعلان اور اظہار کافی ہے۔ (۴) نکاح کا معاہدہ کرنے والوں (میاں، بیوی) کی رضامندی: جمہورِ فقہاء قائل ہیں جبکہ حنفیہ کے نزدیک نکاح زبردستی اور مذاق میں بھی ہو جاتا ہے۔ (۵) زوجین کا تعین۔ (۶) زوجین یا ولی میں سے کوئی حج یا عمرہ کے احرام میں نہ ہو۔ جمہور کے نزدیک یہ شرط ہے حنفیہ کے نزدیک نہیں۔ (۷) نکاح مہر کے عوض ہو۔ (۸) اگر شوہر نکاح کو مخفی رکھنا چاہے تو گواہ اس کا ساتھ نہ دیں یہ مالکیہ کے نزدیک شرط ہے دوسرے آئمہ کے نزدیک نہیں ہے۔ (۹) زوجین میں سے کوئی بھی کسی مہلک مرض کا شکار نہ ہو۔ یہ بھی مالکیہ کے ہاں شرط ہے۔ دوسرے آئمہ کے نزدیک نہیں۔ (۱۰) ولی کی موجودگی: جمہورِ فقہاء کے نزدیک عورت خود نکاح کا (بقیہ اگلے صفحے پر)

کرنے کی وجہ دریافت کی ہے لہٰذا میں اسلام میں تعددِ زوجات (Polygyny) کے جواز پر بات کروں گا۔ قرآن روئے ارض پر وہ واحد مذہبی کتاب ہے جو یہ کہتی ہے کہ ایک سے شادی کرو۔ روئے ارض پر قرآن کے علاوہ اور کوئی مذہبی کتاب نہیں ہے جو یہ کہے کہ صرف ایک شادی کرو۔ آپ گیتا پڑھیے۔ آپ ویدوں کا مطالعہ کر لیجیے آپ رامائن کی ورق گردانی کر لیجیے آپ مہا بھارت اور بائبل اٹھا کر دیکھ لیجیے کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہوا کہ صرف ایک شادی کرو۔ یہ صرف قرآنِ کریم میں لکھا ہوا ہے بلکہ اگر آپ ہندوؤں کی مقدس کتابوں کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ اکثر ہندو بادشاہوں کی متعدد بیویاں تھیں مثال کے طور پر دسرتھ بادشاہ اور کرشن کی کئی بیویاں تھیں۔ اگر آپ یہودیوں کے مقدس متون کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہودیت میں تعددِ زوجات جائز تھا مگر گیارہویں صدی میں ربی گرشوم بن یہودا نے فرمان جاری کیا کہ تعددِ زوجات جائز نہیں ہونا چاہیے۔ پھر بھی مسلم ممالک میں موجود یہودی برادری اس پر عمل پیرا رہی ہے تاوقتیکہ ۱۹۵۰ء میں اسرائیل کے

(گزشتہ سے پیوستہ) معاہدہ کرنے کی اہل نہیں ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک عورت خود معاہدہ کر سکتی ہے ولی کی موجودگی ضروری نہیں۔ نکاح کے ارکان وشرائط کے اس اختلاف سے باآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کئی ایسے نکاح ہیں جو بعض فقہاء کے نزدیک صحیح ہیں بعض کے نزدیک فاسد اور بعض کے نزدیک باطل۔

مندرجہ ذیل نکاحوں کے فاسد ہونے میں اختلاف ہے:

۱۔ نکاحِ شغار: مہر کے بغیر عورتوں کے تبادلے کے ذریعے نکاح مثلاً اپنی بہن کے بدلے دوسرے کی بہن سے نکاح کرنا۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک فاسد ہے اور حنفیہ کے نزدیک صحیح ہے۔

۲۔ نکاحِ محلل: امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔ دیگر آئمہ کے نزدیک فاسد ہے۔

۳۔ نکاحِ موقت: امام زمفر اور امامیہ کے نزدیک درست ہے، دیگر آئمہ کے نزدیک باطل ہے۔

۴۔ نکاحِ متعہ: امامیہ کے نزدیک درست ہے اور جمہورِ فقاء کے نزدیک باطل ہے۔ نکاحِ باطل کر کے جماع کرنے والے زانی ہوں گے لیکن نکاح فاسد جن کے درست اور نادرست ہونے میں اختلاف ہو مثلاً کسی جوڑے نے گواہوں کے بغیر یا ولی کی اجازت کے بغیر یا محدود وقت کے لیے نکاح کیا یا نکاحِ متعہ کیا تو خواہ فقہاء اسے حرام سمجھتے ہوں ان پر حد جاری نہیں ہو گی۔ کیونکہ ان نکاحوں کے حرام اور حلال ہونے میں فقہاء کے اختلاف کے باعث شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ (ادرءوالحدود بالشبہات) ''شبہ پیدا ہو جائے تو حدود ساقط کر دو۔''

دفترِ پیشوائے اعلیٰ (Chief Rabbinate) نے اس پر پابندی عائد کردی اِس طرح انجیل بھی تعددِ زوجات کی اجازت دیتی ہے چرچ نے چند صدیاں پیشتر تعددِ زوجات کو ممنوع قرار دیا ہے حتیٰ کہ اگر آپ ہندوستانی قانون کا جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ ہندوستانی قانون ایک ہندو کو ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ ۱۹۵۴ء کی بات ہے جب ہندو میرج ایکٹ پاس ہوا جس کے تحت ایک ہندو کا ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ ۱۹۷۵ء میں ایک کمیٹی کی شائع ہونے والی رپورٹ بعنوان "اسلام میں عورت کا مقام" کے صفحہ نمبر ۶۷۔۶۶ میں دیئے گئے اعداد و شمار کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ہندوؤں میں تعددِ زوجات کی شرح ۵.۰۶ فیصد اور مسلمانوں میں تعددِ زوجات کی شرح ۴.۳۱ فیصد ہے۔

اعداد و شمار سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اصل موضوع کی طرف پلٹتے ہیں کہ اسلام نے تعددِ زوجات کی اجازت کیوں دی ہے؟

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ قرآن روئے ارض پر واحد مذہبی کتاب ہے جو کہتی ہے کہ صرف ایک شادی کرو۔ سورہ نساء میں ارشاد ہے۔

(وان خفتم الا تقسطوا فی الیتٰمیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلٰث و ربٰع ج فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃً او ما ملکت ایمانکم ج ذلک ادنیٰ الا تعولوا)

"اگر تم لوگ اس بات سے خائف ہو کہ یتیم (لڑکیوں) کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین یا چار چار سے نکاح کرلو۔ اگر تمہیں خوف ہو کہ ان میں عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی عورت یا لونڈی جس کے تم مالک ہو کافی ہے، یہ ناانصافی سے بچنے کے قریب ترین صورت ہے۔" (سورہ نساء آیت ۳)

ایک ہی سے شادی کرنے کا حکم صرف قرآن کریم میں ہے یہ کسی اور الہامی

کتاب میں نہیں ہے۔ عرب قبل از اسلام میں مرد کی کئی بیویاں ہوا کرتی تھیں بعض لوگوں کی سینکڑوں بیویاں تھیں اسلام نے تعداد کے اوپر حد مقرر کی کہ زیادہ سے زیادہ چار[1] اور صرف اس شرط پر آپ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کے مجاز ہیں کہ آپ ان دو، تین یا چار میں عدل اور مساوات کی رعایت برتیں گے اور اسی سورہ نساء میں آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے۔

(ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النسآء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ ط)

"اور تم بیویوں کے درمیان (پورا) عدل قائم[2] نہ کرسکو گے خواہ تم کتنا ہی چاہو پس ایک طرف اتنے نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو معلق چھوڑ دو۔" (سورہ نساء آیت ۱۲۹)

لہٰذا تعددِ زوجات کوئی حکم نہیں ہے بلکہ ایک مشروط اور قابلِ گرفت فعل ہے اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام یہ کہتا ہے تم پر لازم ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرو۔

۱۔ ابن رشد بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں کہ فقہائے اُمت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ایک آزاد مرد بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے البتہ چار سے زائد نکاح کرنے کے بارے میں اختلاف ہے کچھ فقہا نے آیت فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنیٰ وثلث و رباع (النساء: ۳) میں موجود اعداد کو جمع کر دیا ہے اور کہا ہے کہ بیک وقت نو شادیاں کی جاسکتی ہیں۔

۲۔ بہت سے مسلمان مصلحین جن میں انیسویں صدی کے مصری عالم شیخ محمد عبدہ اور برصغیر کے علما سر سید احمد خان اور ممتاز علی شامل ہیں۔ تعددِ زوجات کو ماضی میں درپیش ایک صورتحال کا وقتی حل قرار دیتے ہیں جسے ان کے نزدیک موجودہ حالات میں قرآن کے وحدتِ ازدواج کے تصور سے بدل دینا چاہیے۔ معروف انگریزی مترجمِ قرآن عبداللہ یوسف علی نے بھی اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ چونکہ ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان مساوات کی شرط پوری نہیں کی جاسکتی، اس لیے یہ آیت ان کے نزدیک وحدتِ ازدواج ہی کی تائید کر رہی ہے۔ (یہ دلچسپ امر ہے کہ عبداللہ یوسف علی کے نظر ثانی شدہ ترجمے میں ناشرین نے وحدتِ ازدواج کے حق میں ان کی رائے کو نکال دیا ہے۔) اکثر ممالک میں اس عمل پر بعض قانونی پابندیاں ہیں۔ تیونس واحد مسلمان ملک ہے جہاں تعددِ زوجات کی کسی طرح اجازت نہیں ہے۔

اسلام میں احکام کی پانچ اقسام ہیں

۱۔ فرضی یا واجب (Compulsory) جن کا بجالانا ضروری اور لازمی ہے۔

۲۔ مستحب (Encouraged) جن کا بجا لانا بہتر اور مستحسن ہے لیکن ضروری اور لازی نہیں۔

۳۔ مباح (Permissible) جن کا بجا لانا اور ترک کرنا آپ کی مرضی پر ہے۔

۴۔ مکرہ (Discouraged) جن کا انجام نہ دینا بہتر ہے۔

۵۔ حرام (Forbidden) جن کا ترک کرنا ضروری اور لازمی ہے۔

تعددِ زوجات مباح (Permissible) ہے قرآن و حدیث میں کہیں بھی نہیں کہا گیا کہ ایک سے زیادہ بیویوں والا شخص صرف ایک بیوی والے شخص سے بہتر مسلمان ہے۔

آیئے اب منطقی طور پر تجزیہ کرتے ہیں کہ اسلام مرد کو ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت کیوں دیتا ہے؟

قدرتی طور پرلڑکے اورلڑکیاں برابر تناسب سے پیدا ہوتے ہیں لیکن جدید علمِ طب (Medical Science) ہمیں بتاتا ہے کہ مونث جنین (Female Fetus) مذکر جنین (Male Fetus) سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے علمِ طب الاطفال (Pediatric Knowledge) ہمیں بتاتا ہے کہ ایک بچی میں بچے کی نسبت زیادہ قوتِ مدافعت ہوتی ہے ایک بچی بہ نسبت ایک بچے کے جراثیموں اور بیماریوں کا مقابلہ زیادہ بہتر اور مضبوط انداز میں کرسکتی ہے۔ جدید علمِ طب (Medical Science) کے مطابق صحت کے اعتبار سے عورت مرد سے بہتر ہے لہٰذا بچپنے سے ہی مونث مذکر سے تعداد میں بڑھ جاتی ہے۔ جنگیں دنیا میں ہوتی رہتی ہیں اور جنگوں

کے دوران مرد عورتوں سے زیادہ ہلاک ہوتے ہیں حتیٰ افغانستان کی حالیہ جنگ میں تقریباً پندرہ لاکھ سے زیادہ افراد جاں بحق ہوئے ہیں جن میں اکثریت مردوں کی ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق آئے دن ہونے والے حادثات میں جاں بحق ہونے والے زیادہ تر مرد ہیں۔ عورتوں کی بہ نسبت مرد سگریٹ نوشی کے نتیجے میں زیادہ مرتے ہیں۔

لہٰذا دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت زیادہ ہے۔ ایشیا اور افریقہ کے چند ملکوں کے علاوہ پوری دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی کم تعداد والے ملکوں میں سے ایک ہندوستان ہے اس کی وجہ بتائی جاچکی ہے کہ ہر سال دس لاکھ سے زیادہ مونث جنین (Female Fetus) اسقاطِ حمل کے نتیجے میں موت کی وادی میں دھکیل دیئے جاتے ہیں۔ دختر کشی کی انتہائی کثرت کی بناء پر عورتیں مردوں سے کم ہیں۔ ورنہ اگر اس انتہائی قبیح جرم کو روک دیا جائے تو چند عشروں میں ہی عورتیں مردوں سے زیادہ ہو جائیں گی۔

صرف نیو یارک میں عورتوں کی تعداد مردوں سے دس لاکھ زیادہ ہے۔ اور امریکہ میں اٹھتر لاکھ عورتیں مردوں سے زیادہ ہیں اور نیو یارک کی مردانہ آبادی میں سے ایک تہائی ہم جنس پرست (Gay) ہیں وہ لوطی (Sodomites) ہیں یعنی وہ جنسِ مخالف میں سے کوئی ساتھی نہیں ڈھونڈ سکتے اور امریکہ میں اڑھائی کروڑ سے زیادہ ہم جنس پرست (Gays) ہیں۔ صرف برطانیہ میں چالیس لاکھ عورتیں مردوں سے زائد ہیں اور جرمنی میں پچاس لاکھ عورتیں مردوں سے زائد ہیں اور روس میں ستر لاکھ اور خدا ہی جانتا ہے کہ اس پوری دنیا میں کتنی عورتیں مردوں سے زیادہ ہیں۔

فرض کریں کہ میری بہن امریکہ میں رہ رہی ہے اور ہاؤس فل ہو چکا ہے یعنی ہر مرد اپنے لئے ایک ساتھی کا انتخاب کر چکا ہے اور امریکہ ہی میں تین کروڑ سے زائد عورتیں بغیر شریکِ حیات کے ہیں اور فرض کریں کہ امریکہ میں رہائش پذیر میری

بہن بھی ان تین کروڑ بدقسمت خواتین میں سے ایک ہے کہ جنہیں کوئی ساتھی میسر نہیں آسکا اب ان کے پاس یہی دو راستے ہیں کہ یا تو کسی شادی شدہ مرد سے شادی کرلے یا پھر جنسِ بازار بن جائے کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے اور میرا یقین کیجئے کہ میں نے یہ سوال سینکڑوں غیر مسلموں سے کیا ہے اور ہر کسی نے پہلا راستہ (کسی شادی شدہ مرد سے شادی کا) ہی اختیار کیا ہے۔ ابھی تک کسی نے دوسرا راستہ اختیار کرنے کی بات نہیں کی ہے۔ البتہ بعض ذہین لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اپنی بہن کے ساری عمر کنواری رہنے کو ترجیح دیں گے لیکن یقین کیجئے کہ جدید علم طب (Medical Science) ہمیں بتاتا ہے کہ مرد یا عورت میں سے کوئی تمام عمر کنوارا نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا وہ تمام عمر نامشروع جنسی روابط یا غیر فطری جنسی تسکین کے بغیر کنواری نہیں رہ سکتی کیونکہ ہر روز جنسی ہارمونز بدن میں کھلبلی مچاتے ہیں اور وہ عظیم لوگ جو ترکِ دنیا کا دعویٰ کرتے ہیں جیسے زاہد، سنت اور راہب وغیرہ جو دنیا ترک کرکے گوشہ و کنار یا جنگلوں اور پہاڑوں کی اور نکل جاتے ہیں، اپنے ساتھ دیوداسیاں اور راہبائیں کیوں رکھتے ہیں ایک رپورٹ کے مطابق انگلینڈ کے چرچ کے پادریوں اور راہباؤں (Nuns) میں سے اکثریت نامشروع جنسی روابط یا ہم جنس پرستی کے ذریعے اپنے جنسی غریزے کی تسکین کرتی ہے کیونکہ شادی شدہ مرد سے شادی کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے مگر یہ کہ وقفِ عام (Public Property) ہوا جائے۔

سوال نمبر 4: کیا آپ وہ شرائط اور صورتیں بیان کر سکتے ہیں جن میں تعددِ ازواج جائز ہے؟

جواب: بہن نے سوال پوچھا ہے کہ وہ کونسی صورتیں ہیں جن میں تعددِ زوجات جائز ہے؟ بیویوں کے مابین عدل قائم کر سکنے کی شرط کے ساتھ ہی ایک مرد ایک سے

زیادہ شادیاں کرسکتا ہے اگر وہ دو، تین یا چار بیویوں کے مابین عدل قائم رکھ سکتا ہے تو اسے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت ہے ورنہ ایک پر ہی اکتفا کرنا ہوگا۔

ایسی کئی صورتیں ہیں جن میں ایک مرد کے لئے ایک سے زیادہ شادیاں کرنا مستحسن ہے ایک صورت تو گزشتہ سوال میں بیان ہو چکی ہے کہ چونکہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے لہٰذا عورت کے دامنِ عفت وعصمت کو بے داغ رکھنے کے لئے اسلام نے تعددِ زوجات کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اور بھی کئی صورتیں ہیں مثال کے طور پر ایک نوجوان لڑکی کی شادی ہوتی ہے اور وہ اپنی شادی کے چند ہی ماہ بعد کسی حادثے کے نتیجے میں معذور ہو جاتی ہے اور وہ اپنے شوہر کی تسکین سے عاجز ہو جاتی ہے اب شوہر کے لئے دو ہی راستے ہیں کہ یا تو پہلی بیوی کو بھی ساتھ رکھے اور دوسری شادی کرلے یا پہلی کو طلاق دے دے اور نئی دلہن گھر لے آئے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ فرض کریں یہ بدنصیب خاتون آپ کی بہن ہوتو آپ کیا چاہیں گے؟

کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ آپ کا بہنوئی آپ کی معذور بہن کو طلاق دے اور دوسری شادی کرلے یا یہ کہ وہ اسے بھی ساتھ رکھے اور اس کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کرلے۔

یا بیوی کو کوئی خطرناک مرض ہو کوئی ایسی بیماری ہو جس کی بنا پر وہ شوہر یا بچوں کی دیکھ بھال سے معذور ہو تو ایسی صورت میں یہی مناسب اور مرجح ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو ایک اور عورت کے ساتھ بانٹ لے جو اس کے شوہر ہی کی دیکھ بھال نہیں کرے گی بلکہ خود اس کی بھی اور اگر بچے ہیں تو ان کی بھی دیکھ بھال کرے گی۔

یہاں بہت سے لوگ شاید یہ کہیں کہ شوہر بچوں کی دیکھ بھال کے لئے نوکرانی یا آیا کیوں نہیں رکھ لیتا؟

میں اتفاق کرتا ہوں کہ نوکرانی یا آیا بچوں اور بیمار بیوی کی دیکھ بھال کرے گی لیکن شوہر کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ بہت جلد ملازمہ شوہر کی ''دیکھ بھال'' بھی کرنے لگے گی۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ پہلی بیوی کو بھی طلاق نہ دی جائے اور

دوسری شادی کرلی جائے اور پھر دونوں کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ کیا جائے۔

اور بھی کئی صورتیں ہیں جیسے میاں بیوی کی شدید خواہش کے باوجود طویل عرصے تک اولاد نہ ہونے کی صورت میں عورت خود سے شوہر کو دوسری شادی کا مشورہ دے سکتی ہے اور صاحبِ اولاد ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے بعض لوگ یہ کہیں کہ وہ بچہ گود کیوں نہیں لے لیتے؟ لیکن اسلام بچہ گود لینے کی اجازت نہیں دیتا جس کی کئی وجوہات ہیں یہاں ان وجوہات کی تفصیل بیان نہیں کروں گا۔ پس شوہر کے پاس یہی ایک راستہ ہے کہ یا تو پہلی بیوی کو طلاق دے دے اور دوسری شادی کرلے یا پہلی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کرے اور دونوں کو مساوی حقوق دے۔

میرے خیال میں اتنی صورتیں کافی ہیں۔

سوال نمبر 5: کیا عورت مملکت کی سربراہ بن سکتی ہے؟

جواب: میرے علم کے مطابق قرآنِ کریم میں ایسی کوئی آیت نہیں جو یہ کہتی ہو کہ عورت سربراہِ مملکت نہیں بن سکتی لیکن متعدد احادیث اس حکم کی بیانگر ہیں مثال کے طور پر ایک حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا وہ قوم جس کی سربراہ عورت ہو[1] فلاح نہیں پاسکتی۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اسی وقت سے مخصوص ہے جس وقت

ا۔ اس حدیث کو اکثر علماء نے عورت کے جج اور امام بننے کی نااہلی کے طور پر پیش کیا ہے جو کہ یقینی طور پر فیصلہ کن معیار کی حامل نہیں کیونکہ اس کا ظہور مخصوص حالات میں ہوا جب نبی کو اطلاع پہنچائی گئی کہ اہلِ ایران نے اپنی مملکت کا انتظام خسرو کی بیٹی کے سپرد کر دیا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ مذکورہ حدیث میں صرف ترقی اور خوشحالی کو زیرِ بحث لایا گیا ہے اس میں عورت کے لیے ممانعت نہیں کی گئی۔ ابنِ حزم کی رائے کے مطابق خواتین تمام حکومتی عہدوں پر تقرری کی اہل ہیں سوائے خلافت کے عہدے کے۔ ابنِ حزم اپنے موقف کی دلیل میں قرآنی آیت کا حولہ دیتے ہیں جس میں خصوصاً اقتدار سے متعلق مسئلہ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ افراد کے سپرد کر دو۔'' (النساء: ۸۵) اس میں سب کو اجتماعی طور پر مخاطب کیا گیا ہے مردوں اور عورتوں کو یکساں اور اس طرح اس آیت پر عمل کیا جانا چاہیے جب تک کہ کوئی دوسری قرآنی دلیل اس کے مقابل نہ معلوم ہو جائے۔

بیان فرمائی گئی ہے چونکہ اس وقت ایران کی حکمران ایک ملکہ تھی جبکہ دوسرے علماء کہتے ہیں کہ یہ حکم ہر زمانے کے لئے ہے۔ آیئے تجزیہ کریں کہ عورت کا سربراہ مملکت ہونا موزوں ہے یا نہیں۔

اگر ایک اسلامی ریاست میں عورت سربراہ مملکت ہے تو اسے نماز جماعت[1] کی امامت بھی کروانی پڑ سکتی ہے اور اگر کوئی عورت نماز کی امامت کروائے تو نماز میں قیام، رکوع، سجود اور تشہد کی حالتیں درپیش ہوتی ہیں اور ایک عورت کا مردوں کے اجتماع کے سامنے یہ افعال انجام دینا یقیناً نماز میں خلل اور پریشانی کا باعث ہے۔[2]

اگر عورت آج کل کے جدید معاشرے میں سربراہِ مملکت ہو تو اسے اکثر اوقات دیگر سربراہانِ مملکت سے ملاقاتیں کرنا پڑیں گی جو عام طور پر مرد ہوتے ہیں اور کئی بار یہ ملاقات بند کمرے میں ہوتی ہے جس میں کسی اور کو شرکت کی اجازت نہیں ہوتی۔ اسلام کسی عورت کو کسی نامحرم کے ساتھ بند کمرے میں تنہا ملاقات کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام صنفی اختلاط کی اجازت نہیں دیتا۔ سربراہِ مملکت کو منظرِ عام پر رہنے کی وجہ سے تصاویر کھنچوانے اور ویڈیو فلمیں بنوانے سے پالا پڑتا رہتا ہے اور کئی بار اسے دیگر سربراہانِ مملکت سے جو عام طور پر مرد ہوتے ہیں سے بہت قریب ہونا پڑتا ہے جبھی آپ سربراہانِ مملکت کی تصاویر بنا سکتے ہیں۔ اگر کوئی عورت جیسے مارگریٹ تھیچر سربراہ مملکت ہو تو آپ اس کی تصاویر دیکھ سکتے ہیں جن میں وہ مردوں سے ہاتھ ملا رہی ہوگی اسلام اس طرح کے آزاد صنفی اختلاط کی اجازت نہیں دیتا۔

ا۔ حکمرانی کے لیے اسلامی اصول و قوانین تحریر کرنے والے ماہرین کا کہنا ہے کہ گزشتہ ادوار کے برعکس جدید دور میں طاقت یا اختیارات جانچ پڑتال اور تنقیح کے نظام کے تحت بیشتر شعبوں کی صورت میں تقسیم ہو چکے ہیں اور یہی نظام اکثر اسلامی حکومتوں میں معروف آئینی ڈھانچہ کی شکل میں موجود ہے۔ درحقیقت متعلقہ حدیث میں ایسے نظامِ حکومت کی بات کی گئی ہے جس میں تمام اختیار عورت کے پاس ہو جبکہ موجودہ زمانے میں ایسے نظامِ حکومت کا تصور باقی نہیں رہا۔

۲۔ ابوداؤد کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ام ورقہ کو اجازت دی تھی کہ وہ گھر پر نماز ادا کریں اور اپنے متعلقین مرد و خواتین کی امامت کریں (عورت، معاشرہ اور ریاست: ڈاکٹر حسن ترابی ترجمہ لبنیٰ نازلی) یہ حدیث محدود پیمانے پر بھی عورت کی امامت کی بات کر رہی ہے۔

سربراہِ مملکت کو عوام کے مسائل جاننے اور حل کرنے کے لئے عام آدمی سے ملنا پڑتا ہے لیکن ایک عورت کے لئے عام آدمی سے ملنا امر دشوار ہے۔

سائنس کے بقول ایک عورت اپنے مخصوص ایام میں خاص ذہنی، نفسیاتی اور سلوکی (Behavioral) تبدیلیوں سے دوچار رہتی ہے جس کی وجہ جنسی ایسٹوجن ہارمون ہیں۔ یہ تبدیلیاں بہرحال اس کی قوتِ فیصلہ کو متاثر کرتی ہیں۔ سائنس یہ بھی بتاتی ہے کہ عورت میں مرد کی نسبت اظہار اور گفتگو کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے جبکہ مرد دور اندیشی اور واقعات و حالات کی پیش بینی کی خاص صلاحیت رکھتا ہے اور یہ صلاحیت سربراہِ مملکت کے لئے نہایت اہم ہے۔ عورت کو مرد پر زبان اور گفتگو کے حوالے سے فوقیت حاصل ہے کیونکہ یہ صلاحیت اس کی ممتا کے لئے ضروری ہے۔

ایک عورت حاملہ بھی ہوسکتی ہے اور اس صورت میں اسے بہرحال چند ماہ کے لئے آرام کی ضرورت ہوگی لہٰذا ان چند ماہ کے لئے امورِ مملکت کا کیا بنے گا پھر اس کے بچے بھی ہوسکتے ہیں اور ماں کی حیثیت سے اس کی ذمہ داری نہایت اہم ہے۔ ایک مرد کے لئے بیک وقت باپ اور سربراہِ مملکت کے فرائض ادا کرنا بہ نسبت ایک عورت کے بیک وقت ماں اور سربراہِ مملکت کے فرائض ادا کرنے سے زیادہ ممکن العمل ہے۔

بنابراین میرا ذہنی رجحان ان علما کی طرف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عورت کو سربراہِ مملکت نہیں ہونا چاہیے[1] لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت قانون سازی کے عمل میں شریک نہیں ہوسکتی جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ عورت ووٹ کا

۱۔ عورت کو حکمرانی سونپنے والی قوم کے کبھی ترقی نہ کر سکنے والی حدیث کے بارے میں ایک تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث کو ابوبکرہ نے بیان کیا یوں یہ خبرِ واحد کے زمرے میں آتی ہے ابوبکرہ کی روایت کردہ حدیث جنگِ جمل میں پہلی مرتبہ بیان کی گئی تھی جب حضرت عائشہؓ نے بصرہ میں اپنی فوج کی قیادت کی تھی۔ ان کی فوج کو شکست ہوئی تھی۔ اس میں ابوبکرہ بھی شامل تھے اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ابوبکرہ بھی حضورؐ کے حکم کی تعمیل میں حضرت عائشہؓ کے زیرِ قیادت جنگ میں شرکت سے اجتناب کرتے۔ اس حدیث کی ایک دوسری توضیح یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ اس کی حیثیت خبر یا اطلاع کی ہو۔ جنگِ جمل کے حوالے سے دیکھا جائے تو حضرت عائشہؓ فوج کی سرپرستی کرتے ہوئے جنگ میں شامل ہوئیں اور فوج میں نبی اکرمؐ کے بہت سے نامور صحابہ بھی (بقیہ اگلے صفحے پر)

حق رکھتی ہے وہ قانون سازی میں حصہ لے سکتی ہے۔ صلحِ حدیبیہ کے موقع پر حضرت امِ سلمیٰؓ نے حضورؐ کی حمایت کی اور مشورے دیئے جب تمام مسلمان پریشان تھے اس وقت انہوں نے رسولؐ اللہ کا ساتھ دیا اور مشورے بھی دیئے۔

یہ بات آپ بھی جانتے ہیں کہ اگرچہ سربراہِ مملکت صدر یا وزیرِ اعظم ہے لیکن کئی فیصلے معتمد (Secretary) اور ذاتی معاون (Personal Assistant) کرتے ہیں لہٰذا عورت امور ریاست میں مرد کی مدد کرسکتی ہے اور فیصلہ سازی اور قانون سازی میں مشورے اور رہنمائی کا حق رکھتی ہے۔

سوال نمبر 6: اگر اسلام میں عورت اور مرد کے حقوق مساوی ہیں تو عورت کو پردے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ اور مردوں اور عورتوں کے بیچ حتیٰ کہ اس قسم کی محافل میں بھی ایک دیوار اور حد فاصل کیوں ضروری ہے؟

جواب: بہن نے ایک بہت اچھا سوال کیا ہے کہ اگر اسلام حقوقِ نسواں کا دعویدار ہے اور مردوں اور عورتوں کی برابری پر یقین رکھتا ہے تو پھر عورت کو پردے کا حکم کیوں دیتا ہے اور صنفی تفریق کا قائل کیوں ہے جس کی ایک مثال ہمارا آج کا اجتماع ہے؟ میں بہن کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ انہوں نے یہ سوال پوچھ کر مجھے پردے پر بات کرنے کا موقع دیا ہے کیونکہ میں وقت کی کمی کے باعث پردے پر

(گذشتہ سے پیوستہ) شامل تھے ان میں سے کسی نے بھی حضرت عائشہؓ کی قیادت پر اعتراض نہیں اُٹھایا۔ یہاں تک کہ راوی حدیث نے بھی علیحدگی اختیار نہیں کی۔ جو طبقۂ فکر عورت کی سربراہی کی مخالفت کرتا ہے وہ اسی حدیث کے حوالے سے حضرت عائشہؓ کا مندرجہ ذیل بیان بھی دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے۔ ''میرے لیے یہ زیادہ پسندیدہ ہوتا کہ میں اپنے گھر میں ہی رہتی اور بصرہ کی مہم پر نہ جاتی۔'' اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ عورت ہونے کے ناتے قیادت کی نااہلی پر افسوس کناں ہیں بلکہ ان کا یہ بیان اس بنا پر ہے کہ جنگِ جمل میں مسلمانوں کا بہت نقصان ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی اپنی ذاتی ساکھ اور وقار کو بھی دھچکا لگا۔ (عورت کی قیادت: ترجمہ و ترتیب لبنیٰ نازلی)

بات نہیں کر پایا تھا۔

قرآنِ کریم کا مطالعہ کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کے لئے "حجاب" کے حکم سے پہلے قرآن مردوں کو "حجاب" کا حکم دیتا ہے۔ سورۂ نور میں ارشادِ قدرت ہے۔

(قل للمومنین یغضوا من[1] ابصارھم ویحفظوا فروجھم ط)

"آپ مومن مردوں سے کہہ دیجئے، وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔" (سورہ نور: 30/24)

اس سے اگلی آیت میں عورتوں کے لئے حکم ہے۔

(وقل للمومنٰت یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ماظھر[2] منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ص ولا یبدین زینتھن الا

ا۔"یغضوا من ابصارھم" کا لفظی ترجمہ ہوگا "اپنی نگاہوں میں سے کچھ بچائیں" یہاں مِن تبعیض کے لیے ہے۔ گویا تمام نگاہوں کو بچانا مقصود نہیں بلکہ بے حیائی کی نگاہ بچانا مقصود ہے۔ یہ دو محاورے مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے آئے ہیں۔

۲۔"الا ماظھر منھا" کے الفاظ سے ایک استثنا بیان کیا گیا ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں۔ "مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے۔" اس کو مزید با محاورہ بنایئے تو معنی بنیں گے۔ "مگر جو کچھ اس آرائش و زیبائش میں سے ظاہر ہو" اس فقرے میں ایک وسعت ہے۔ قرآنِ مجید پروردگار کا براہِ راست کلام ہے۔ پرودگار نے اس قرآن میں جہاں جو لفظ بھی استعمال کیا ہے، انسانوں کی ہدایت کے لیے اس سے بہتر لفظ و محاورہ استعمال کرنا ممکن نہیں تھا۔ اگر قرآنِ مجید کسی جگہ کوئی وسیع مفہوم کا حامل لفظ یا فقرہ استعمال کرتا ہے تو وہ جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے تاکہ اس حکم میں ایک رعایت، نرمی، ڈھیل اور تخفیف رہے اور مختلف حالات میں مختلف ذوق، رجحان اور اُفتادِ طبع رکھنے والے لوگ اس پر عمل کر سکیں اور کسی پر کوئی تنگی نہ رہے۔ اس معاملے میں ہر خاتون کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کے جس مفہوم پر چاہے عمل کرے۔ مثلاً حضرت ابنِ عباسؓ اور بڑی تعداد میں فقہا اس ضمن میں اس حد تک رخصت کے قائل ہیں کہ ان کے خیال میں کوئی خاتون چہرے اور ہاتھوں کو پورے بناؤ سنگھار اور زیورات کے ساتھ کھلا رکھ سکتی ہے۔ دوسری طرف عبداللہ بن مسعودؓ اس حد تک سختی کے قائل ہیں کہ ان کے خیال میں "الاما ظھر منھا" سے مراد صرف وہ چادر ہے جو خواتین کو اپنے باقی لباس پر پہننا چاہیے۔ ان دونوں کے درمیان یہ رائے بھی ہوسکتی ہے کہ خواتین کو عام طور پر دوسرے کے سامنے گھرے میک اپ اور زیورات وغیرہ کے ساتھ نہیں آنا چاہیے۔

لبعولتھن او ابآئھن او اباٰء بعولتھن او ابنآئھن......)

"اور مومنہ عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو اس میں سے خود ظاہر ہو، اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں[1] اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اپنے شوہروں، آباء، شوہر کے آباء، اپنے بیٹوں......" (سورہ نور: 31/24)

آگے محارم۔ وہ قریبی رشتہ دار جن سے نکاح جائز نہیں۔ کی طویل فہرست بیان کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ پاکباز عورتوں کے آگے بھی اظہارِ زینت میں مضائقہ نہیں۔ ان کے علاوہ باقی سب لوگوں سے اسے پردہ کرنا ہوگا اور اسلامی پردے کے قواعد وضوابط قرآن وحدیث سے اخذ کئے جاسکتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

ا۔ پہلا ضابطہ "حجاب" کی حد بندی کے بارے میں ہے اور یہ واحد ضابطہ ہے جو مرد اور عورت کے لئے مختلف ہے۔

ا۔ مردوں کے لئے ناف سے لے کر گھٹنوں تک جسم چھپانا واجب ہے۔

ا۔"ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن" اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا۔ "اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے سینے پر۔" گویا خمر وہ اضافی کپڑا یا دوپٹہ ہے جسے خواتین کپڑوں کے اوپر پہنتی ہیں تاکہ جسم کے مختلف اُبھار اور خطوط نمایاں نہ ہوں۔ یہاں قرآن مجید کی ہدایت یہ ہے کہ اس خمر سے سینہ چھپایا جائے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس خمر سے سر چھپانا بھی لازم ہے یا نہیں۔ حضورؐ کے زمانے میں عربوں کے ہاں جو عام تہذیب تھی، اس کے مطابق شریف گھرانوں کی خواتین اس اوڑھنی سے سر ڈھانپتی تھیں۔ چنانچہ عام رائے یہی ہے کہ مسلم خواتین کو سر ڈھانپنا چاہیے یہ احتیاط کا تقاضا بھی ہے اور یہ مسلم تہذیب کی علامت بھی بن چکی ہے۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ سر ڈھانپنے کا ذکر نہیں ہوا۔ اگر قرآن مجید سر ڈھانپنے کو بھی شریعت کا لازمی حصہ قرار دینا چاہتا تو شاید اس مفہوم کی کوئی آیت نازل ہوتی کہ "خواتین اپنا خمر اپنے سر اور سینے پر ڈالے رکھیں۔" گویا سر کو ڈھانپنا پسندیدہ ہے معروف میں سے ہے تاہم شریعت کی طرف سے لازم نہیں۔ (ڈاکٹر محمد فاروق خان ان تمام مسائل کے ضمن میں وارد ہونے والی روایات پر بحث کرتے ہیں۔)

ب۔ اور عورتوں کے لئے چہرہ اور کلائیوں تک ہاتھوں کو چھوڑ کر۔ ان کا کھلا رکھنا جائز ہے واجب نہیں۔ باقی سارا جسم چھپانا واجب ہے اور اگر عورت چہرے اور ہاتھوں کو بھی چھپانا چاہے تو اس کی مرضی لیکن چہرے اور ہاتھوں کا پردہ واجب نہیں ہے۔[1]

یہ واحد اصول ہے جو مردوں اور عورتوں کے لئے مختلف ہے البتہ باقی پانچ اصول مردوں کے لئے بھی ویسے ہی ہیں جیسے عورتوں کے لئے ہیں۔

۲۔ لباس اتنا تنگ نہ ہو کہ جسم کے نشیب و فراز نمایاں ہو رہے ہوں۔

۳۔ لباس اتنا شفاف یا باریک نہیں ہونا چاہیے کہ جسے نگاہیں پار کر سکیں۔

۴۔ لباس اتنا چکاچوند، شوخ اور رومانوی کشش والا نہ ہو کہ جس سے جنس مخالف کو ترغیب و تشویق ملے۔

۵۔ لباس جنس مخالف کے لباس کے مشابہ نہیں ہونا چاہیے جیسے آپ نے مردوں کو کانوں میں بالیاں پہنے دیکھا ہوگا ایک کان میں بالی پہننے کا مطلب کچھ اور ہے اور دونوں کانوں میں بالیاں پہننے کا کچھ اور۔ یہ اسلام میں منع ہے۔

۶۔ لباس غیر مسلموں کے لباس سے بھی مشابہ نہیں ہونا چاہیے۔

۱۔ دورِ جدید کے ممتاز ترین محدث علامہ ناصر الدین البانی اس موضوع پر لکھتے ہیں: ''ان (متضاد) اقوال کو ابن جریر نے اپنی تفسیر جلد ۱۸ صفحہ ۸۴ میں نقل کیا ہے۔ پھر ابنِ جریر نے اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ اس استثنا سے مراد چہرہ اور ہاتھ دونوں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ اس بارے میں صحت سے قریب تر انہی حضرات کا قول ہے جنہوں نے اس سے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو لیا ہے۔ جس میں سرمہ، انگوٹھی، کنگن اور خضاب سب شامل ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابنِ عباسؓ، حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہؓ کا درجِ بالا قول ہی صحیح ہے۔'' (حجاب المراۃ المسلمہ فی الکتاب والسنہ)

یہ اسلامی حجاب[1] کے چھ بنیادی اصول ہیں۔ اب سوال کی طرف پلٹتے ہیں کہ اسلام پردے اور صنفی افتراق (segregation of Sexes) کا حکم کیوں دیتا ہے؟

آیئے ہم پردہ دار اور بے پردہ معاشروں کا تجزیہ کرتے ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ جرائم امریکہ میں ہوتے ہیں۔ ایف بی آئی کی رپورٹ کے مطابق 1990ء میں امریکہ میں 102555 عورتیں زیادتی کا شکار ہوئیں اور یہ وہ واقعات ہیں جن کی اطلاع پولیس کو ہوئی اور رپورٹ کے مطابق صرف سولہ فیصد واقعات کی پولیس کو اطلاع ہوتی ہے اب اگر آپ ان واقعات کی درست تعداد معلوم کرنا چاہیں

۱۔ پردے کی بابت ڈاکٹر محمد فاروق خان دلچسپ نکتہ نظر پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ ''چونکہ اس مسئلے میں، ہمارے خیال میں مولانا مودودی کا موقف صحیح نہیں ہے اس لیے اس باب میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ اس کا تجزیہ کیا جائے گا۔ مولانا مودودی نے اس موضوع پر اپنے خیالات ''پردہ''، ''خواتین اور دینی مسائل''، ''تفہیم القرآن'' (جلد سوم) تفسیر سورۂ نور اور ''تفہیم القرآن'' (جلد چہارم) تفسیر سورۂ احزاب میں تحریر کیے ہیں۔ اس کے علاوہ ''رسائل و مسائل'' میں بھی مختلف مقامات پر اس ضمن میں اپنی رائے دی ہے۔ مولانا مودودی کے تصورِ پردہ کو درج ذیل نکات کی شکل میں بیان کیا جا سکتا ہے:

☆ پردے کے ضمن میں اصل اہمیت سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۳۲۔۳۳ اور آیت نمبر ۵۹ کو حاصل ہے۔ اس کے تحت ایک خاتون گھر سے باہر جاتے وقت اپنا پورا چہرہ چھپائے گی۔ زیادہ سے زیادہ وہ ایک آنکھ کھلی رکھ سکتی ہے۔

☆ گھر کے اندر بھی وہ خاوند کے سوا تمام محرم لوگوں سے سینہ اور سر چھپائے گی۔

☆ محرم مردوں کے سوا باقی سب مردوں سے خاتون چہرہ چھپائے گی۔

☆ رشتہ دار جو نہ تو محرم ہوں اور نہ ہی بالکل اجنبیوں ہی کی فہرست میں شامل ہوں، ان کے بارے میں شریعت کی پالیسی غیر واضح ہے۔

☆ سورۂ نور کی ہدایات بنیادی طور پر مستثنیات سے متعلق ہیں۔ مثلاً جب کسی ہنگامی صورتحال میں آمنا سامنا ہو جائے۔ عام حالات میں چہرہ کا پردہ کرنا ہی اصل قانون ہے۔

اب ہم ان کے نکتہ ہائے نظر کا تجزیہ کریں گے جیسا کہ ہم انتہائی تفصیل کے ساتھ واضح کر چکے ہیں کہ سورۂ احزاب آیات ۳۲۔۳۳ اور ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات خالصتاً (بقیہ اگلے صفحے پر)

تو آپ 102555 کو 6.25 سے ضرب دے دیں جوابی عدد 640000 سے زیادہ بنتا ہے یعنی امریکہ میں صرف 1990ء کے ایک سال میں تقریباً چھ لاکھ چالیس ہزار خواتین زیادتی کا شکار ہوئی ہیں۔ غالباً 1991ء کی رپورٹ کے مطابق ہر روز اوسطاً 1900 خواتین کے ساتھ زیادتی کے واقعات پیش آئے۔ 1993ء کی رپورٹ کے مطابق ہر 1.3 منٹ کے بعد ایک عورت جبری بدکاری کا نشانہ بن رہی ہے۔ شاید امریکی روز بروز بے باک (Bold) ہوتے جا رہے ہیں۔

(گذشتہ سے پیوستہ) امہات المومنین سے متعلق ہیں۔ قرآن خود ان کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ: ینساء النبی لستن کاحد من النساء. ''نبیؐ کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔'' مولانا مودودی اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ایک اسلوب ہے جیسا کہ ایک باپ اپنے بچے سے کہا۔ ''تم بازاری بچوں کی طرح نہیں ہو۔'' ہمارے نزدیک یہ قیاس درست نہیں کیونکہ اس مثال اور قرآن مجید کے اس اسلوب میں بڑا فرق ہے۔ اگر قرآن مجید یہ کہتا کہ: ''نبی کی بیویو! تم بُری یا بازاری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔'' تب تو ایک امکان تھا کہ ان کے مفہوم کو عام کر دیا جائے لیکن جب قرآن مجید نے ''عام عورتوں'' کا لفظ استعمال کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید حقیقتاً نبیؐ کی بیویوں اور عام عورتوں میں فرق کرتا ہے۔

اس ضمن میں مولانا کی دوسری دلیل یہ ہے کہ آگے تین ہدایات آئی ہیں۔ اس میں کون سی ایسی بات ہے جو حضورؐ کی ازواج کے لیے خاص ہو اور باقی مسلمان عورتوں کے لیے مطلوب نہ ہو۔ اس کے جواب میں ہم پہلے ہی یہ واضح کر چکے ہیں کہ جہاں تک نماز و زکوٰۃ کا تعلق ہے یہ دونوں چیزیں تو اتنی اہم ہیں کہ پروردگار رسول کو بھی ان کی طرف علیحدگی سے توجہ دلاتا ہے، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ رسول کے لیے بعض احکام پوری اُمت سے مختلف ہیں۔ جہاں تک باقی ہدایات کا تعلق ہے مثلاً ''لاتخضعن بالقول فیطمع الذی فی...... وقرن فی بیوتکن، ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولیٰ اور واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن، ان سب کا تعلق ازواجِ نبیؐ سے ہے۔ اس کے برعکس عام مسلمان خواتین کے لیے ہدایات اسی سورت میں بھی آئی ہیں اور خصوصاً سورۂ نور میں آئی ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ کیا پروردگار کو ہمارے ایمان وعمل سے دشمنی ہے کہ اس نے الفاظ تو ایک طرح کے استعمال کیے اور مفہوم ان کا دوسرا ہے۔ اگر پروردگار تمام مسلمان خواتین کو یہ ہدایت دینا چاہتا تو کتنا ہی اچھا ہوتا کہ وہ آیت ۵۹ والے الفاظ یعنی: ''یاایھا النبیّ قل لا زواجک وبنتک ونساء المومنین۔ یہاں بھی استعمال کر لیتا۔ اگر پروردگار نے آیت نمبر ۳۲۔۳۳ میں یہ الفاظ استعمال نہیں کیے تو ظاہر ہے اس (بقیہ اگلے صفحے پر)

…یں ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

امریکہ نے خواتین کو زیادہ حقوق دیئے ہیں اور وہاں خواتین کے ساتھ زیادتی کے زیادہ واقعات ہو رہے ہیں۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

صرف سولہ فیصد واقعات پولیس کے پاس درج ہوتے ہیں اور فقط دس فیصد گرفتاریاں عمل میں آتی ہیں یعنی صرف 1.6 فیصد ملزم پکڑے جاتے ہیں ان میں

(گذشتہ سے پیوستہ) کی کوئی ٹھوس وجہ ہو گی۔

سورہ احزاب آیت ۵۹ کے حوالے سے مولانا مودودی کا موقف یہ ہے کہ خواتین باہر جاتے وقت چادر اس طریقہ سے اوڑھ لیں کہ چہرہ بھی پوری طرح چھپ جائے۔ زیادہ سے زیادہ اجازت یہ ہے کہ راستہ دیکھنے کے لیے ایک آنکھ یا دونوں آنکھیں کھلی رکھی جائیں۔ یہاں مولانا نے اس فقرے کے سیاق وسباق کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی کہ آخر ایسا کیوں ہے کہ منافقین پر سخت تنقید اور زجر وتوبیخ کے درمیان میں یہ آیت کیوں آئی۔

دوسرا یہ کہ اگر قرآن مجید کو یہی ہدایت دینی تھی کہ خواتین چہرہ چھپالیں تو اس کے لیے قرآن مجید نے معروف لفظ ''نقاب'' کا استعمال کیوں نہیں کیا، جبکہ اس سوسائٹی میں بہت سی عورتیں نقاب سے منہ چھپاتی تھیں۔ تیسرا یہ کہ اگر قرآن مجید جلباب یعنی بڑی چادر ہی کے ذریعے سے منہ چھپانے کا حکم دینا چاہتا تھا تو اس نے صاف کیوں نہیں کہا کہ جلباب سے خواتین اپنا چہرہ چھپائیں۔ اس کے بجائے قرآن مجید نے ''یدنین علیھن من جلابیبھن'' کے الفاظ کیوں استعمال کیے جس کے معنی میں بڑی وسعت ہے۔ چوتھا یہ کہ اس کے ساتھ متصل ان الفاظ کا کیا مطلب ہے کہ ''ان یعرفن فلا یوذین'' سوال یہ ہے کہ جس سوسائٹی میں چادر اوڑھ کر چہرہ نہ چھپانے والی خاتون کو بھی شریف سمجھا جائے اور نہ ستایا جائے، کیا وہاں ایک خاتون کے لیے چہرہ چھپانا لازم ہے؟

درج بالا سوالات اُٹھانے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید سے کوئی ہدایت اخذ کرتے وقت یہ لازم ہے کہ اس حکم کے پورے سیاق وسباق اور اس کے ایک ایک لفظ پر غور کیا جائے تبھی اس حکم کی پوری حکمت اور وسعت سمجھ آتی ہے۔

اسی آیت کی تشریح کے حوالے سے مولانا مودودی نے حضرت ابنِ عباس اور بعض دوسرے مفسرین کی آراء نقل کی ہیں۔ اس میں اصل اہمیت ابن عباس کی تفسیر کی ہے۔ اس کے متعلق یہ بات گزر چکی ہے کہ ابن عباس سے اس تفسیر کی نسبت ہی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کے (بقیہ اگلے صفحے پر)

سے بھی پچاس فیصد مقدمہ چلنے سے قبل چھوڑ دیئے جاتے ہیں یعنی 0.8 فیصد مجرموں کے خلاف باقاعدہ مقدمہ چلتا ہے۔

یعنی اگر کوئی شخص ایک سو پچیس خواتین کے ساتھ جبری بدکاری کا ارتکاب کرے تو ایک بار پکڑا جانے کا امکان ہے کون ہے جو ایسا نہیں کرنا چاہے گا کہ ایک سو پچیس خواتین کے ساتھ زیادتی کرے اور ایک بار پکڑا جائے اور اس پر مستزاد یہ

(گزشتہ سے پیوستہ) راوی علی ابن ابی طلحہ کی ابن عباس سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔

جہاں تک باقی مفسرین کرام کا تعلق ہے تو مولانا محترم خود بھی ان سب سے "تفہیم القرآن" میں بے شمار جگہوں پر اختلاف کر چکے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ جتنے بھی مفسرین کرام کے حوالے مولانا مودودی نے نقل کیے ہیں ان کی آراء کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر غیر محفوظ مقامات ہی کے حوالے سے بات کر رہے ہیں۔

مولانا مودودی کے تصورِ حجاب کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ایک خاتون کو گھر کے اندر بھی ہر وقت اس طریقہ سے دوپٹہ اوڑھنا چاہیے کہ اس سے سر اور سینہ چھپا رہے اور چہرے اور ہاتھوں کے سوا سارا جسم نظر نہ آئے۔ (پردہ، صفحہ ۲۴۸) اس کی تائید میں مولانا نے چھ روایات پیش کی ہیں۔ یہ تمام روایات ضعیف ہیں۔ عالمِ اسلام کے موجودہ دور کے سب سے بڑے محدث علامہ ناصر الدین البانی نے اپنی کتاب "حجاب المراۃ المسلمہ" میں ان تمام روایات کے ضعف پر تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ روایات اور ان کی کمزوری پر مختصر بحث ہم نے پچھلے صفحات میں کی ہے۔ ان کے مقابلے میں سورۂ نور اور بخاری و مسلم کی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ ایک خاتون اپنے محرم رشتہ داروں کے سامنے بے تکلفی اور پورے زیب و زینت کے ساتھ آ سکتی ہے۔ مولانا مودودی اس بحث میں ان روایات کی طرف التفات نہیں کرتے۔

مولانا مودودی کا تیسرا نکتہ یہ ہے کہ محرم مردوں کے سوا باقی سب مردوں سے ایک خاتون چہرہ چھپائے گی۔ اس ضمن میں مولانا نے "تفہیم القرآن" جلد ۳، صفحہ ۳۸۱ پر اپنے دلائل دیئے ہیں۔ پہلے انہوں نے حضرت عائشہؓ کا واقعہء افک نقل کیا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ جب صبح ایک صحابی کا وہاں سے گزر ہوا تو وہ مجھے پہچان گئے، کیونکہ وہ "حجاب کے حکم سے پہلے مجھے دیکھ چکے تھے۔" یہ واقعہ ایک زوجہء نبیؐ سے متعلق تھا۔ اور سورۂ احزاب کے احکامِ حجاب بھی ازواجِ نبیؐ ہی کے متعلق نازل ہوئے تھے۔ اسے عام عورتوں پر قطعاً قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد مولانا مودودی ام خلاد نامی خاتون کے واقعے سے استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ضعیف روایت ہے۔ تیسری دلیل کے طور پر وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کے مطابق حضورؐ نے پردے (بقیہ اگلے صفحے پر)

کہ پچاس فیصد امکان ہے کہ ایک سال سے بھی کم سزا ہو۔ اگرچہ امریکی قانون کے مطابق زنا بالجبر کی سزا عمر قید ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ پہلی بار اس کا مرتکب ہوا ہے پہلی بار پکڑا گیا ہے۔ اس لئے اسے موقع دیا جائے اور ایک سال سے بھی کم سزا سنائی جائے۔

حتیٰ کہ ہندوستان میں نیشنل کرائم بیورو کی یکم دسمبر ۱۹۹۲ء کو شائع شدہ رپورٹ

(گزشتہ سے پیوستہ) کے پیچھے بیٹھی ایک عورت کا ہاتھ دیکھ کر پوچھا کہ یہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا؟ اس روایت سے مولانا مودودی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ چونکہ اس زمانے میں پردے کا حکم آ چکا تھا اس لیے وہ خاتون پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ پوری روایت ہی بالکل ضعیف ہے۔ یہ واقعہ اگر صحیح بھی ہو تو اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بعض عورتیں پردہ کرتی تھیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، زمانہ جاہلیت میں بھی کئی عورتیں پردہ کرتی تھیں اور چہرے پر نقاب اوڑھتی تھیں۔ اسلام نے نہ اس سے منع کیا اور نہ عام حالات میں اس کا حکم دیا۔

اس کے بعد مولانا مودودی نے حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے استدلال کیا کہ ہم لوگ حج کے لیے بحالتِ احرام مکہ کی طرف جا رہے تھے۔ جب مسافر ہمارے پاس سے گزرنے لگتے تو ہم عورتیں اپنے سر سے چادر کھینچ کر منہ پر ڈال لیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو ہم منہ کھول لیتی تھیں۔ یہ بھی ایک ضعیف روایت ہے اور ان تمام روایات سے ٹکراتی ہے جو صحیح سند کے ساتھ احکامِ حج کے باب میں وارد ہوئی ہیں کہ احرام والی عورت کو اپنے چہرے پر نقاب نہیں ڈالنا چاہیے۔ بخاری، نسائی، ابوداؤد، مسند احمد، بیہقی وغیرہ میں اس مفہوم کی کئی روایات صحیح سندوں سے منقول ہیں تاہم اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس کی تاویل یہ ہے کہ حجاب کا یہ قانون خصوصی طور پر ازواجِ نبیؐ کے لیے تھا۔ حضورؐ کے ساتھ ان کی ازواج سفر کر رہی تھیں نہ کہ عام خواتین۔ کیونکہ حج کے سفر کے موقع پر سب خواتین اپنے اپنے محرموں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ گویا اس موضوع پر مولانا مودودی نے جتنی روایات سے استدلال کیا ہے ان میں سوائے واقعہ افک کے باقی سب ضعیف ہیں اور واقعہ افک خصوصی طور پر ایک زوجہء نبی کے متعلق ہے۔

چونکہ مولانا مودودی اعلیٰ پائے کے ادیب اور ایک بہترین انشا پرداز بھی ہیں اس لیے وہ بعض اوقات زورِ قلم سے ایسے دلائل دیتے ہیں جو ایک لمحے کے لیے انسان کو بہت مضبوط لگتے ہیں۔ مگر ان کا دقت نظر کے ساتھ تجزیہ کچھ اور نتائج بیان کرتا ہے مثلاً مولانا مودودی نے "تفہیم القرآن" جلد سوم صفحہ ۳۸۱ پر اپنی تائید میں صحیح بخاری اور ترمذی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک عورت حضورؐ سے کچھ پوچھنے لگی تو حضورؐ کے چچا زاد بھائی فضل بن عباسؓ (بقیہ اگلے صفحے پر)

کے مطابق ہر ۵۴ منٹ میں ہندوستان میں زنا بالجبر کا ایک واقعہ درج ہوتا ہے ہر ۲۶ منٹ میں عزت پر حملے کا ایک واقعہ سامنے آتا ہے اور ہر ایک گھنٹے ۴۳ منٹ کے بعد جہیز کی وجہ سے ایک قتل کا واقعہ رونما ہوتا ہے اگر آپ ہندوستان میں زنا بالجبر کے واقعات کا تجزیہ کریں تو تقریباً ہر چند منٹ میں اوسطاً ایک واقعہ رونما ہو رہا ہوگا۔

اب میں ایک سادہ سا سوال پوچھتا ہوں کہ اگر امریکہ کی ہر عورت کو پردے کا

(گذشتہ سے پیوستہ) نے اس پر نگاہیں گاڑ دیں۔ چونکہ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس خاتون کا چہرہ کھلا ہوا تھا، اس لیے مولانا نے آگے اس کی تاویل کی ہے کہ چونکہ وہ خاتون حالت احرام میں تھیں اور احرام کی حالت میں نقاب کا استعمال ممنوع ہے اس لیے اس خاتون نے نقاب نہیں اوڑھا ہوا تھا۔ یہ دلیل بھی کمزور ہے اس لیے کہ ترمذی کی روایت میں یہ آیا ہے کہ یہ واقعہ قربانی کے بعد کا ہے اور ظاہر ہے کہ قربانی کے بعد احرام کھول دیا جاتا ہے۔ اسی طرح مولانا مودودی اس بات کی تاویل کرتے ہوئے کہ حالت احرام میں عورتوں کے لیے چہرے پر نقاب ڈالنے اور دستانے پہننے کی ممانعت ہے، کہتے ہیں کہ گویا اس معاملے میں پہلے چہرہ چھپانے کا کوئی حکم آ چکا تھا۔ (پردہ ۱۳۸، ۱۳۹) اسی لیے اس سے احرام کی حالت کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ قرآن مجید میں اور احادیث کے پورے ذخیرے میں کسی ضعیف ترین حدیث میں بھی نقاب اور دستانے کا کوئی حکم نہیں آیا۔ اصل بات یہ تھی کہ ان دونوں چیزوں کا رواج نزول اسلام سے بہت پہلے سے یعنی زمانہ جاہلیت کے دور سے ہی چلا آ رہا ہے۔ اسلام نے ان کے متعلق عام حالات میں کوئی مثبت یا منفی حکم نازل نہیں کیا۔ البتہ حالت احرام میں اس سے واضح طور پر روک دیا اس لیے کہ یہ حج کی فقیرانہ وضع قطع کے خلاف ہے۔

مولانا مودودی کا اگلا نکتہ یہ ہے کہ محرم رشتہ داروں (یعنی جن سے نکاح حرام ہے) اور اجنبیوں کے درمیان جو رشتہ دار ہیں مثلاً چچا زاد، ماموں زاد وغیرہ، ان سے پردے کی نوعیت کو شریعت میں متعین نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس کا تعین ہو نہیں سکتا (تفہیم القرآن ۳/۳۸۸) اس کے بعد وہ اس کے متعلق، متضاد و مخالف روایات پیش کر کے قاری کو ایک مکمل ابہام میں مبتلا کر کے چھوڑ دیتے ہیں، کہ ان سے پردہ ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔

ہمارے نزدیک معاملے کی نوعیت یہ نہیں ہے۔ قرآن مجید نے اس معاملے میں انتہائی وضاحت سے احکام نازل کیے ہیں۔ جن کے مطابق دور و نزدیک کے ان رشتہ داروں سے غض بصر، حفظ فروج اور اخفائے زینت کے اہتمام کے ساتھ مل بیٹھنے، گفتگو کرنے اور کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ بات قرین قیاس نہیں کہ قرآن مجید ایک ایسے معاملے میں کوئی حکم نازل نہ [illegible] (بقیہ اگلے صفحے پر)

کہا جائے تو کیا امریکہ میں زنا بالجبر کی یہی اوسط رہے گی، بڑھ جائے گی یا کم ہو جائے گی؟

اگر آپ ہندوستان میں ہر عورت کو پردہ دار بنا دیں تو کیا ہندوستان میں زنا بالجبر کی شرح بڑھ جائے گی۔ کم ہوگی یا اتنی ہی رہے گی؟

اسلام کو مجموعی تناظر میں سمجھنے کی کوشش کریں اس سے قطع نظر کہ عورت پردہ

(گذشتہ سے پیوستہ) کرے جس سے ایک مرد و عورت کو روزانہ سابقہ پیش آتا ہو اور وہ ایک نازک اور پیچیدہ معاملہ ہو۔ گویا یہاں بھی بات واضح تھی اگر اسے روایات کے بجائے قرآن مجید کی بنیاد پر سمجھنے کی کوشش کی جاتی اب جہاں تک روایات کا تعلق ہے، ان میں درحقیقت کوئی تضاد نہیں مولانا مودودی نے روایات کی سند کا خیال رکھے بغیر ضعیف روایات کو بلا تکلف نقل کر دیا ہے ورنہ صحیح روایات یا تو سورہ احزاب کے تحت خالصتاً امہات المومنینؓ سے متعلق ہیں یا پھر سورۂ نور کے تحت عام مرد و خواتین سے متعلق ہیں اور اگر تمام صحیح روایات کو قرآن مجید کے ذیل میں لایا جائے تو ان میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔

مولانا مودودی کا اگلا نکتہ یہ ہے کہ سورۂ نور میں جتنی ہدایات نازل ہوئی ہیں، یہ اصل میں مستثنیات سے متعلق ہیں، ورنہ اصل حکم تو وہی ہے جو سورۂ احزاب میں نازل ہوا ہے اور جو مولانا مودودی کے نزدیک چہرے کے پردے کا حکم ہے۔ غضِ بصر کی تشریح میں مولانا مودودی لکھتے ہیں: اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ عورتوں کو کھلے منہ پھرنے کی اجازت تھی۔ تبھی تو غضِ بصر کا حکم دیا گیا۔ ورنہ اگر چہرے کا پردہ رائج کیا جا چکا ہو تو پھر نظر بچانے یا نہ بچانے کا کیا سوال؟ یہ استدلال عقلی لحاظ سے بھی غلط ہے اور واقعہ کے اعتبار سے بھی۔ عقلی لحاظ سے اس لیے غلط ہے کہ چہرے کا پردہ عام طور پر رائج ہو جانے کے باوجود ایسے مواقع پیش آ سکتے ہیں، جبکہ اچانک کسی مرد اور عورت کا آمنا سامنا ہو جائے۔ (تفہیم القرآن ۳/۳۸۱)

یہ بات قابلِ حیرت ہے کہ جس سورت کی ابتدا ہی میں پروردگار نے کہہ دیا کہ اس سورت کو ہم نے فرض کر دیا ہے اور اس میں ہم نے نہایت واضح اور صاف صاف ہدایات نازل کی ہیں، ان کو مولانا مستثنیات والی آیات بتا رہے ہیں اور جن آیات کے متعلق پروردگار خود کہہ رہا ہے کہ یہ مستثنیات والی ہدایات ہیں، انہی کے متعلق مولانا مودودی فرما رہے ہیں کہ اصل حکم تو انہی سے ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھیے سورہ نور کی پہلی آیت ہی یہ کہہ رہی ہے:

"یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا اور اسے ہم نے فرض کیا ہے اور اس میں ہم نے صاف صاف ہدایات نازل کی ہیں تاکہ تم سبق سیکھو۔" (النور ۱:۲۴، ترجمہ از تفہیم القرآن) (بقیہ اگلے صفحے پر)

کرتی ہے یا نہیں مرد کے لئے حکم ہے کہ اپنی نظریں نیچی رکھے اب اس کے بعد بھی اگر کوئی مرد زنا بالجبر کا ارتکاب کرتا ہے تو اسلام اسے سزائے موت دیتا ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ یہ وحشیانہ قانون ہے۔

میں نے بہت سے لوگوں سے یہ سوال پوچھا ہے اور فرض کریں کہ آپ سے بھی پوچھتا ہوں کہ فرض کریں کہ آپ کی بہن کے ساتھ زنا بالجبر ہوتا ہے اور آپ

(گزشتہ سے پیوستہ) پھر آگے قرآن مجید جو الفاظ استعمال کرتا ہے اس میں کوئی مستثنیات نہیں ہیں مثلاً ادب معاشرت والی بات آیت ۲۷ میں اس طرح شروع ہوتی ہے:

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا اور اجازت نہ لے لو۔'' (النور ۲۴:۲۷)

پھر جب لوگ ایک دوسرے کے ہاں داخل ہو جائیں اور مرد خواتین اکٹھے بیٹھ جائیں تو قرآن مجید بغیر کسی استثناء کے نہایت واضح الفاظ میں حکم دیتا ہے:

''اے نبی مومن مردوں سے کہو کہ ان کی آنکھوں میں حیا ہو'' (النور ۲۴:۳۰) اور خواتین کو بغیر کسی اگر مگر کے حکم دیتا ہے:

''اور اے نبی مومن عورتوں سے کہہ دو کہ ان کی آنکھوں میں حیا ہو'' (النور ۲۴:۳۱)

حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری سورت اپنی ہر آیت میں پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ سب مسلمانوں سے متعلق ہے اور یہ ساری سورت نازل ہی اس لیے ہوئی ہے کہ مسلمانوں کو اختلاطِ مرد و زن کے آداب سکھائے جائیں۔ مولانا مودودی نے اس سورت کی تفسیر میں اس پہلو کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ مثلاً ایک جگہ آیت نمبر ۵۸۔۶۱ میں سیاق و سباق سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہاں سارے احکام مرد و زن کے اختلاط سے متعلق دیے جا رہے ہیں اور اسی میں یہ ہدایت بھی موجود ہے کہ اگر مرد و زن اکٹھے کھانا کھانا چاہیں تب بھی ٹھیک ہے اور اگر مرد اور عورتیں الگ الگ کھانا چاہیں تب بھی درست ہے۔ یہ ہدایت اتنے صاف الفاظ میں آئی ہے کہ قرآن مجید کا ہر طالب علم سیاق و سباق میں اس بات کو سمجھ سکتا ہے۔ لیکن مولانا مودودی کے نزدیک یہ صرف مردوں کے آپس میں اکٹھے کھانے یا علیحدہ علیحدہ کھانے سے متعلق ہے۔

دوسری سورہ احزاب ہر جگہ وضاحت کر رہی ہے کہ یہ بات مستثنیات سے متعلق ہے اور پہلی آیت ہی سے یہ واضح کرتی ہے کہ یہ سورہ بنیادی طور پر پیغمبرؐ اور آپؐ کی ازواج کے معاملات سے بحث کرتی ہے۔ چنانچہ پہلی آیت کی ابتدا ہی یہاں سے ہوتی ہے۔

''اے نبیؐ! اللہ سے ڈرو اور کفار و منافقین کی اطاعت نہ کرو۔'' (بقیہ اگلے صفحے پر)

جج ہیں۔ اسلامی شریعت، ہندوستانی قانون یا امریکی قانون برطرف کردیں آپ منصف ہیں اور آپ کو مکمل اختیار ہے آپ اپنی بہن کے ساتھ زبردستی زنا کرنے والے کو کیا سزا دیں گے؟ سبھی نے ایک ہی جواب دیا تھا سزائے موت۔ بلکہ بعض نے تو اس حد تک کہا کہ ہم اسے اذیتیں دے دے کر ماریں گے۔

اب بتائیے کہ اگر امریکہ میں اسلامی شریعت نافذ کردی جائے تو کیا ان وارداتوں میں اضافہ ہوگا یا کمی ہوگی؟

اگر ہندوستان میں اسلامی شریعت نافذ کردی جائے تو ان جرائم میں اضافہ ہوگا یا کمی ہوگی؟

جواب واضح ہے۔ آپ نے کہنے کی حد تک تو عورت کو حقوق دیئے ہیں لیکن عملی طور پر آپ نے عورت کی حیثیت کو گھٹا کر اسے داشتہ، طوائف یا کھلونا بنا دیا ہے۔ پردے کے موضوع پر کئی دن گفتگو ہوسکتی ہے لیکن میں اپنے جواب کو اس مثال پر ختم کروں گا کہ فرض کریں دو جڑواں بہنیں ہیں دونوں ایک جیسی خوبصورت ہیں۔ فرض کریں دونوں ایک ساتھ ایک ایسی گلی سے گزر رہی ہیں جس کی نکڑ پر ایک آوارہ بدمعاش شکار کے انتظار میں ہے جو لڑکی کو چھیڑنے کا موقع ڈھونڈ رہا ہے دونوں ایک

(گزشتہ سے پیوستہ) آگے ارشاد ہوتا ہے:

"بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔"

آگے آیت ۲۸ میں ارشاد ہوتا ہے: ''اے نبیؐ! اپنی بیویوں سے کہو......''

آگے آیت ۳۱ میں نبیؐ کی بیویوں کو کہا جا رہا ہے کہ ان کے لیے سزا بھی دگنی اور جزا بھی دگنی ہے۔ پھر آگے آیت ۳۲ میں ارشاد ہوا ہے: ''نبیؐ کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔''

یہ اس سورہ کا عام لب و لہجہ ہے۔ پھر اس سورت میں جہاں جہاں عام مسلمانوں سے خطاب ہے، وہاں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ہدایت کیوں اور کس طرح کے مواقع کے لیے دی جا رہی ہے۔ مثلاً جب خواتین کو باہر جلباب پہننے کی ہدایت دی ہے تو ساتھ ہی بتا دیا گیا ہے کہ یہ غیر محفوظ مقامات پر بچاؤ کی ایک تدبیر ہے۔ "ذالک ادنیٰ ان یعرفن فلا یوذین." یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔ (مرد اور عورت: ڈاکٹر محمد فاروق خان)

ساتھ آرہی ہیں دونوں ایک جیسی خوبصورت ہیں ایک نے اسلامی پردہ کیا ہوا ہے اور ایک مغربی لباس۔ منی سکرٹ پہنے ہوئے ہے۔ وہ آوارہ بدمعاش دونوں میں سے کس کو چھیڑے گا؟

ظاہر ہے کہ مختصر لباس والی کو۔ اگر ایک نے تنگ شلوار قمیص پہن رکھی ہو اور دوپٹہ بھی نہ اوڑھا ہوا ہو اور دوسری اسلامی پردے میں ہو تو وہ کسے چھیڑے گا؟ ظاہر ہے تنگ شلوار قمیص والی کو۔

یہ اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ اسلام نے جس پردے کا حکم دیا ہے وہ عورت کا مقام گھٹانے کے بجائے اس کی عزت و ناموس کی حفاظت کرتا ہے۔[1]

1۔ خواتین کے لیے چہرہ چھپانے سے متعلق ایک عقلی دلیل اتنے تواتر سے استعمال کی جاتی ہے کہ اس کا نوٹس لیا جانا ضروری ہے۔ وہ دلیل یہ ہے کہ عورت کی اصل جنسی کشش تو اس کے چہرے میں ہوتی ہے، اس لیے مردوں کو فتنے سے بچانے کے لیے عورت کے چہرے کا چھپانا ضروری ہے۔ یہ دلیل ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ عورت کا چہرہ ذوقِ جمال کا آئینہ دار ضرور ہے مگر جنسی کشش کا نہیں۔ اس سے مرد کی جمالیاتی حس کو یقیناً ایک خوشی مل سکتی ہے، مگر اس سے سفلی جذبات صرف اس انسان میں نمودار ہوتے ہیں جس کے حیوانی جذبے بے مہار ہوں۔ ایسے مردوں کو تنبیہ ہونی چاہیے نہ کہ اس کی وجہ سے عورتوں پر پابندی لگائی جائے۔ درحقیقت عورت کی اصل جنسی کشش اس کے بقیہ بدن کے ابھاروں کے برہنہ ہونے، چست لباس کے اندر نمایاں ہونے اور ہیجان خیز میک اپ میں ہے۔ اس بات کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ کشش تو بہت سے مردوں کے چہروں میں بھی ہوتی ہے۔ کیا ایسے مردوں کو یا ایک خاص عمر کے سب مردوں کے بارے میں بھی اسلام کا کوئی ایسا حکم موجود ہے کہ ان کے چہرے بھی چھپائے جائیں؟ ظاہر ہے کہ اگر اسلام مردوں کو مبتلائے فتنہ ہونے کی وجہ سے عورتوں کو چہرے چھپانے کا حکم دیتا ہو تو عورتوں کو مبتلائے فتنہ ہونے کے خوف سے مردوں کے لیے بھی چہرہ چھپانے کا حکم ہونا چاہیے۔ اسی بات کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اگر "مبتلائے فتنہ ہونے کا خوف" ہی معیار ٹھہرا ہے تو ہم جنسی کو روکنے کے لیے سب مردوں اور سب عورتوں کو آپس میں ایک دوسرے سے بھی نقاب میں رہنا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ چہرہ کسی انسان کی شناخت ہے۔ چہرہ چھپانے سے شخصیت Identity less اور Non Entity ہو جاتی ہے۔ عورتوں اور مردوں دونوں کے معاملے میں یہ چیز دین کو مطلوب نہیں ہے۔ اس کا صرف اس وقت استعمال ہونا چاہیے جب واقعتاً اپنی شناخت چھپانا مقصود ہو۔

سوال نمبر 7: اس سوال نے مجھے کئی سال سے پریشان کر رکھا ہے کہ اسلام مسلمان مردوں کو اہلِ کتاب خواتین خواہ یہودی ہوں یا عیسائی سے شادی کی اجازت دیتا ہے لیکن اس کے برعکس (یعنی مسلمان عورت کی اہلِ کتاب مرد سے شادی) منع کرتا ہے۔ کیوں؟ کیا مسلمان عورتیں مشرک نہیں ہوتیں؟

جواب: نومسلم بھائی بلال نے یہ سوال پوچھا ہے کہ قرآن مسلمان مرد کو تو اہلِ کتاب عورت سے شادی کی اجازت دیتا ہے مگر اس کی برعکس صورتِ حال جائز نہیں ہے؟ وہ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں قرآنِ مجید اس حکم کو سورۂ مائدہ میں بیان کرتا ہے۔

(الیوم احل لکم الطیبات ط وطعام الذین اوتوا الکتٰب حل لکم ص وطعامکم حل لھم o والمحصنٰت من المومنٰت والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم اذآ اٰتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسٰفحین ولا متخذی اخدان ط ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ وھو فی الاٰخرۃ من الخٰسرین)

"آج تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں اور اہلِ کتاب کا کھانا[1] تمہارے لئے

1۔ اہلِ کتاب کا طعام حلال ہے جس میں ان کا ذبیحہ بھی شامل ہے۔ اکثر علماء ان کے ذبیحہ کو حلال کہتے ہیں۔ البتہ اہلِ کتاب کا وہی ذبیحہ حلال ہوگا جس میں خون بہہ گیا ہو۔ گویا ان کا مشینی ذبیحہ حلال نہیں ہے، کیونکہ اس میں خون بہنے کی شرط مفقود ہے۔ فقہ جعفریہ کے نزدیک ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ باقی طعام میں فقہ جعفریہ کے فقہاء کے دو نظریے ہیں۔ ایک یہ کہ اہلِ کتاب نجس ہیں لہٰذا اگر مرطوب کھانے کو اہلِ کتاب نے ہاتھ لگایا ہو تو وہ نجس ہے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اہلِ کتاب پاک ہیں ذبیحہ کے علاوہ ان کے باقی طعام حلال ہیں۔

اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے اور پاک دامن مومنہ عورتیں نیز جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے ان کی پاک دامن عورتیں بھی (حلال کی گئی ہیں) بشرطیکہ ان کا مہر دے دو اور ان کی عفت کے محافظ بنو، چوری چھپے آشنائیاں یا بدکاری نہ کرو اور جو کوئی ایمان سے منکر ہوا اس کا عمل ضائع ہوگیا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔" (سورہ مائدہ: 5/5)

اسلام مسلمان مرد کو اہل کتاب عورتوں سے شادی کی اجازت دیتا ہے کیونکہ جب عیسائی یا یہودی خاتون مسلمان مرد سے شادی کر کے مسلمان خاندان کا حصہ بنتی ہے تو یہاں اسے اپنے نبیوں کی شان میں گستاخی کا کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ اسلام ہمیں یہودیوں اور عیسائیوں کے پیغمبروں پر ایمان کا حکم دیتا ہے جن نبیوں پر ان دونوں کا ایمان ہے ان پر ہمارا بھی ایمان ہے ہم حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا احترام واجب سمجھتے ہیں کیونکہ ہم ان کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں لہٰذا جب کوئی اہل کتاب عورت مسلمان خانوادے میں داخل ہوتی ہے تو اسے تضحیک یا دل آزاری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

لیکن دوسری صورت میں کہ جب ایک مسلمان عورت کسی اہل کتاب مرد کے ساتھ شادی کے نتیجے میں اہل کتاب خاندان کا حصہ بنے گی تو چونکہ وہ حضرت محمدؐ پر ایمان نہیں رکھتے لہٰذا وہاں مسلمان عورت کی دل آزاری بہت ممکن ہے۔ اسی لئے اسلام مسلمان مرد کو اہل کتاب لڑکی سے شادی کی اجازت دیتا ہے لیکن مسلمان عورت کو اہل کتاب مرد سے شادی کی اجازت نہیں دیتا۔

اب سوال کے دوسرے حصے کی طرف آتے ہیں کہ کیا مسلمان عورتیں مشرک نہیں ہوتیں؟

بھائی نے سورہ بقرہ کی درج ذیل آیت کے حوالے سے بات کی ہے۔

ولا تنكحوا المشركٰت حتىٰ يؤمن ط ولامة مومنة خير من مشركة ولو اعجبتكم ج

"اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں کیونکہ مومنہ لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو" (سورہ بقرہ: 221/2)

یعنی اگر وہ برطانیہ کی ملکہ ہو دنیا کی دولت مند ترین عورت ہو یا حسینہ عالم ہو اگر ایمان والی نہیں ہے تو اسے چھوڑ دو اس سے ایمان والی لونڈی بدرجہا بہتر ہے اور آیت ابھی جاری ہے۔

ولا تنكحوا المشركين حتىٰ يؤمنوا ط ولعبد مومن خير من مشرك ولو اعجبتكم ط

"نیز (مومنہ عورتوں کو) مشرک مردوں کے عقد میں نہ دینا جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں کیونکہ ایک مومن غلام مشرک مرد سے بہتر ہے خواہ وہ (مشرک) تمہیں پسند ہو" (سورہ بقرہ: 221/2)

قرآن مجید سورہ مائدہ میں حکم دیتا ہے۔

(لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح ابن مريم ط وقال المسيح يبني اسرآء يل اعبدو الله ربي وربكم ط انه من يشرك بالله فقد حرم الله عليه الجنة وماوئه النار ط وما للظلمين من انصار)

"وہ لوگ یقیناً کافر ہو گئے جو کہتے ہیں مسیح بن مریم ہی خدا ہیں جبکہ خود مسیح کہا کرتے تھے[1] اے بنی اسرائیل تم اللہ ہی کی پرستش کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے بے شک جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تحقیق اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔" (سورہ مائدہ: 72/5)

اس آیت سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ سب جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ مسیحؑ ہے یعنی

1۔ موجودہ انجیل میں بھی قرآن مجید کے اس بیان کی شہادت موجود ہے چنانچہ انجیل یوحنا ۱۷:۳ میں آیا ہے: "اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ اکیلے سچے خدا کو اور تیرے بھیجے ہوئے رسول کو جانیں۔"

حضرت عیسیٰؑ خدا ہیں وہ کفر کے مرتکب ہو رہے ہیں اور قرآن کی ایک اور آیت کہتی ہے کہ آپ ان ''کافروں'' سے شادی کر سکتے ہیں۔ یہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن متضاد حکم دے رہا ہے لیکن جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ قرآن کو بطور کل (As a Whole) دیکھیں۔ قرآن میں ایک اور آیت بھی ہے۔

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر و تؤمنون بالله ط ولو امن اهل الكتٰب لكان خيراً لهم ط منهم المومنون واكثرهم الفٰسقون

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو خود ان کے لئے بہتر تھا، اگرچہ ان میں سے کچھ لوگ ایمان والے ہیں لیکن ان کی اکثریت فاسق ہے۔'' (سورہ آل عمران (110/3:

پس قرآن کہتا ہے کہ اہل کتاب کی ان عورتوں سے شادی کرو جو خدائے واحد پر ایمان رکھتی ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہیں بلکہ خدا کا رسول مانتی ہیں۔

سوال نمبر 8: کیا اسلام میں عورت کو شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، وصیت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اگر نہیں ہے تو کیوں اور اگر ہے تو اس کی تفصیلات کیا ہیں؟

جواب: بہن نے سوال پوچھا ہے کہ اسلام میں عورت شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، وصیت کیوں نہیں کر سکتی؟ یہ مکمل طور پر ایک غلط تاثر ہے جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ اسلام نے مغرب سے ۱۳۰۰ سال قبل عورت کو معاشی حقوق عطا کئے ہیں اور میں نے بڑی وضاحت سے بتایا تھا کہ ہر بالغ و عاقل عورت چاہے ''

شادی شدہ ہو یا شادی شدہ نہ ہو کو بغیر کسی کے مشورے کے خرید و فروخت یا کسی کو سونپنے کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ اسے وصیت کرنے کا بھی مکمل اختیار حاصل ہے۔ اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔ ہاں اگر وہ نابالغ ہے تو وہ اپنا یہ حق استعمال نہیں کر سکتی کیونکہ نابالغ لڑکی کو اپنے نفع نقصان کی صحیح پہچان نہیں ہوتی۔

سوال نمبر 9: جیسا کہ آپ نے کہا کہ اسلام مردوں اور عورتوں کو برابر حقوق دیتا ہے تو پھر مرد کو چار شادیوں کی اجازت کیوں ہے جبکہ عورت کو اس سے کیوں محروم رکھا گیا ہے ایک مرد ایک عورت سے شادی کے بعد دوسری کے بارے میں سوچ سکتا ہے تو ایک عورت دوسرے کے بارے میں کیوں نہیں سوچ سکتی؟

جواب: بھائی نے سوال کیا ہے کہ جب اسلام تعدد زوجات (Polygeny) کی اجازت دیتا ہے تو تعدد ازواج (Polyandry) کی اجازت کیوں نہیں دیتا؟ ایک مرد کو تو ایک سے زائد بیویوں کی اجازت ہے لیکن ایک عورت کو ایک سے زائد شوہروں کی اجازت نہیں کیوں؟

سوال کے جواب کے لئے چند نکتے ذہن نشین کر لیجئے۔

ا۔ مرد میں عورت کی نسبت زیادہ جنسی میلان ہوتا ہے۔

۲۔ حیاتیاتی اعتبار سے مرد ایک سے زائد بیویوں کے ساتھ شوہر کی حیثیت سے اپنے فرائض ادا کر سکتا ہے لیکن بیوی ایک سے زائد شوہروں کے ساتھ بیوی کی حیثیت سے اپنے فرائض ادا نہیں کر سکتی۔ میڈیکل سائنس کے بقول عورت اپنے مخصوص ایام کے دوران خاص تبدیلیوں سے گزرتی

ہے جو ذہن، نفسیات اور رویے کی بابت ہوتی ہیں لہٰذا عورت اس عرصے میں ذہنی انتشار کا شکار ہوتی ہے اور اسی لئے گھریلو جھگڑوں کی کثیر تعداد اسی عرصے (مخصوص ایام) میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔ امریکہ میں عورتوں کے مجرمانہ ریکارڈ کی رپورٹ کے مطابق بیشتر عورتوں نے مخصوص ایام کے دوران جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ لہٰذا عورت کے لئے ایک سے زیادہ شوہروں کے ساتھ ذہنی طور پر ہم آہنگ ہونا خاصا مشکل ہے۔

۳۔ میڈیکل سائنس یہ بھی بتاتی ہے کہ ایک عورت کے ایک سے زائد شوہر ہونے کی صورت میں عورت کے ذریعے قابل انتقال جنسی امراض کے لگنے اور شوہروں تک پھیلنے کے امکانات ہوتے ہیں جبکہ ایک مرد کی ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں ایسا نہیں ہوتا۔

۴۔ ایک مرد کی ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں اگر بچہ پیدا ہو تو اس کے والدین کی شناخت ممکن ہے باپ بھی معین ہے اور ماں بھی۔ لیکن ایک عورت کے ایک سے زائد شوہر ہونے کی صورت میں اولاد ہو تو ماں کی شناخت تو واضح ہے لیکن باپ کا تعین کارے دارد۔

۵۔ اسلام ماں باپ کی شناخت کو ازحد اہمیت دیتا ہے اور ماہرین نفسیات کے بقول اگر بچہ اپنے والدین کی پہچان نہ رکھتا ہو تو اسے شدید ذہنی صدمے سے گزرنا پڑتا ہے اسی لئے بدکردار عورتوں کی اولاد کا خراب اور ابتر بچپن اچنبھے کی بات نہیں۔ اور اگر ایسا بچہ سکول داخلے کے لئے جائے اور اس سے اس کے باپ کا نام پوچھا جائے اور وہ ایک کے بجائے دو نام بتائے تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایسے بچے کو کس نام سے پکارا جاتا ہے۔

الغرض کئی وجوہات ہیں جن کی بناء پر تعدد ازواج (Polyandry) کی اجازت نہیں ہے۔

کوئی جوابی دلائل کے طور پر تعدد ازواج (Polyandry) کے جواز کی وجوہات بیان کر سکتا ہے مثال کے طور پر اگر میاں بیوی میں کوئی مسئلہ نہ ہو تب بھی شوہر ایک اور شادی کر سکتا ہے تو اگر شوہر عقیم (Sterils) ہو تو کیا عورت دوسری شادی نہیں کر سکتی؟

جی نہیں کیونکہ کوئی ڈاکٹر آپ کو یہ ضمانت نہیں دے سکتا کہ شوہر سو فیصد عقیم ہو چکا ہے حتیٰ کہ اگر وہ ''نس بندی'' کرالے تب بھی کوئی ڈاکٹر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اب وہ باپ نہیں بن سکتا لہٰذا ایک شوہر کے عقیم ہونے کی صورت میں بھی پیدا ہونے والے بچے کی شناخت مشکوک رہے گی۔

ایک اور مثال دیکھتے ہیں فرض کریں کہ شوہر کسی حادثے میں معذور ہو یا شدید بیمار ہو جائے تو کیا اس صورت میں عورت کے لئے شوہروں کا تعدد جائز نہیں ہونا چاہیے؟

اس سوال کے دو پہلو ہیں شوہر حادثے کا شکار ہو کر یا شدید بیماری کے باعث اپنے دو طرح کے فرائض سے قاصر ہو سکتا ہے۔

۱۔ مالی حوالے سے: یعنی شوہر اپنے بیوی بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش نہیں کر سکتا۔

۲۔ جنسی حوالے سے: یعنی شوہر اپنی بیوی کو مطمئن نہیں کر سکتا۔

پہلی صورت جس میں شوہر بیماری یا معذوری کی بناء پر بیوی بچوں کی کفالت نہیں کر سکتا کا اسلام ایک حل پیش کرتا ہے ایسے لوگ زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ دوسری صورت جس میں شوہر معذوری یا بیماری کے باعث اپنی بیوی کو جنسی اطمینان سے ہمکنار نہیں کر سکتا کے حوالے سے میڈیکل سائنس کی تحقیق کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ عورت کو مرد کی نسبت جنسی اطمینان کی کم ضرورت ہوتی ہے، اسلام عورت کو اس شوہر سے خلع لے کر دوسری شادی کی اجازت دیتا ہے اس صورت میں طلاق لینا

عورت کے حق میں ہے کیونکہ وہ صحت مند ہے اسے آسانی سے جیون ساتھی میسر آ سکتا ہے ہاں اگر عورت بیمار یا معذور ہو تو اس صورت میں طلاق لینا اس کے فائدے میں نہیں ہے کیونکہ پھر اس سے کون شادی کرے گا۔

سوال نمبر 10: ایک لڑکی اپنے گھر والوں کی مرضی کے خلاف شادی سے کیسے انکار کر سکتی ہے جبکہ گھر والے اس کی کفالت کرتے ہیں کیا انکار کے بعد وہ لڑکی کی کفالت سے دستبردار نہیں ہو جائیں گے؟

جواب: بہن نے سوال پوچھا کہ آپ نے اپنے لیکچر میں کہا ہے کہ لڑکی کو شادی کے معاملے میں انکار کا حق حاصل ہے لیکن کیا وہ ''ناں'' کہنے کی صورت میں معاش طور پر بے آسرا نہیں ہو جائے گی؟ بہن نے لیکچر غور سے نہیں سنا۔ میں نے اپنے لیکچر میں یہ بھی بتایا تھا کہ عورت کی کفالت مرد کے ذمے ہے شادی سے پہلے باپ اور بھائی عورت کی خوراک، پوشاک، رہائش اور دیگر اخراجات کے ذمہ دار ہیں اور شادی کے بعد شوہر اور بیٹے اس کی تمام ضرورتوں کے ضامن ہیں۔ شادی سے انکار کی صورت میں عورت پہلے کی طرح باپ اور بھائیوں کی ذمہ داری ہے وہ بہت آرام سے ''ناں'' کر سکتی ہے مجھے نہیں سمجھ آ رہی کہ اس میں کیا مشکل ہے۔

سوال نمبر 11: تمام مذاہب کی مقدس کتابوں میں بہت سی اچھی باتیں لکھی ہوئی ہیں لیکن عرصہ دراز سے مذاہب والوں نے عورتوں کے ساتھ امتیازی طرز عمل روا رکھا ہوا ہے کیا کتابوں میں لکھا ہوا زیادہ اہم ہے یا

لوگوں کا عمل؟ اور اگر عمل زیادہ اہم ہے تو ہمیں کتابوں میں لکھے ہوئے کو کم اہمیت دینی چاہیے لہٰذا کتابوں میں کیا لکھا ہوا ہے کہ بجائے ہمیں یہ بتایا جائے کہ کیا عملی اقدام اٹھائے جائیں تاکہ عورتوں کے ساتھ امتیازی اور غیر منصفانہ سلوک روا نہ رکھا جائے؟

جواب: بھائی نے بہت اچھا سوال پوچھا ہے کہ مقدس کتابوں میں تو اچھی باتیں لکھی ہوئی ہیں لیکن لوگ ان پر عمل نہیں کر رہے۔ ہمیں نظریے سے زیادہ عمل کو اہمیت دینی چاہیے اور میں ان کی بات سے متفق ہوں اور میں نے اپنے لیکچر میں کہا ہے کہ مسلمان معاشرے قرآن وسنت سے منحرف ہو چکے ہیں اور ہم یہاں لوگوں کو قرآن وسنت کی طرف بلا رہے ہیں۔

جہاں تک سوال کے پہلے حصے کا تعلق ہے کہ مذہبی کتابیں اچھی باتیں کرتی ہیں لہٰذا ان کے بارے میں بات کرنا بے فائدہ ہے، سے میں اتفاق نہیں کرتا۔ میں نے ''اسلام اور دیگر مذاہب میں عورت کا مقام'' کے عنوان پر ایک لیکچر دیا ہے جس میں میں نے اسلام، ہندومت، بدھ مت، عیسائیت اور یہودیت میں عورت کے مقام کا موازنہ کیا ہے آپ وہ لیکچر سن کر خود آپ انصاف سے فیصلہ کریں کہ کونسا مذہب عورت کو سب سے زیادہ حقوق دیتا ہے اگر آپ نظریاتی طور پر یہ مان لیں گے کہ اسلام عورت کو سب سے زیادہ حقوق دیتا ہے تو پھر ہمیں اسلامی احکام پر عمل کرنا ہوگا۔ لوگ کچھ احکام پر عمل کرتے ہیں کچھ پر نہیں۔ مثال کے طور پر جرائم کی تعزیرات اور شہری حقوق کے حوالے سے سعودی حکومت بہت اچھا کام کر رہی ہے مگر

کچھ معاملات میں وہ بھی قرآن سے منحرف ہو رہی ہے ہمیں چاہیے کہ ہم سعودی عرب کو عملی نمونے کے طور پر سامنے رکھیں اور ان سے جرائم کی سزاؤں کے اسلامی قوانین لیں اور اگر وہ قابل عمل ہیں تو انہیں ساری دنیا میں لاگو کریں۔ اسی طرح کسی اور معاشرے کو دیکھیں جہاں معاشرتی معاملات میں اسلامی قوانین پر عمل کیا جا رہا ہو اگر مناسب لگیں تو باقی معاشروں میں بھی نافذ کردیں۔ بھائی ہم یہاں اسی لئے اکٹھے ہوئے ہیں کہ آپ کو بتا سکیں کہ یہ قانون سب سے بہتر قانون ہے اگر ہم اس پر عمل نہیں کر رہے تو قصور ہمارا ہے مذہب کا نہیں۔ لہٰذا ہم لوگوں کو اس لئے یہاں بلاتے ہیں کہ وہ قرآن اور حدیث کے صحیح ادراک کے بعد اس پر عمل پیرا ہوسکیں۔

سوال نمبر 12: اسلام میں کوئی خاتون پیغمبر کیوں نہیں ہے؟

جواب: بہن نے سوال پوچھا ہے کہ اسلام میں کوئی خاتون پیغمبر کیوں نہیں ہے؟ اگر پیغمبر سے مراد ایسا شخص ہے جو (خدا کا) پیغام وصول کرتا ہے اور لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اسلام میں کوئی خاتون پیغمبر نہیں ہے اور میرے خیال میں یہ بالکل درست ہے کیونکہ قرآن واضح طور پر بیان فرماتا ہے کہ گھر کا سربراہ مرد ہے تو پھر قوم کی سربراہ اور رہنما عورت کیسے ہوسکتی ہے۔ پیغمبر نماز جماعت کی امامت کرتا ہے اور جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ نماز قیام، رکوع، سجود اور تشہد جیسے ارکان پر مشتمل ہے اب اگر عورت مردوں کے سامنے ان ارکان نماز کو بجا لائے تو ان مرد مقتدیوں کی نماز سے توجہ ہٹ جائے گی اور خضوع وخشوع کی کیفیت درہم برہم ہو جائے گی۔ پیغمبر کو عام لوگوں سے اکثر ملنا پڑتا ہے۔ عورت پیغمبر ہوتی تو یہ ممکن نہیں تھا کیونکہ اسلام صنفی اختلاط کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر عورت پیغمبر ہو اور وہ حاملہ ہو تو ظاہر ہے کہ حاملہ عورت چند ماہ کے لئے اپنے فرائض ادا کرنے سے قاصر ہوتی ہے تو پیغمبرانہ فرائض کیسے انجام دے

گی۔ ایک عورت کے لئے بیک وقت ماں کے فرائض اور پیغمبرانہ فرائض سے عہدہ برآ ہونا امر دشوار ہے جبکہ ایک مرد کے لئے بیک وقت پدرانہ فرائض اور پیغمبرانہ فرائض کی ادائیگی آسان ہے۔

لیکن اگر پیغمبر سے مراد ایسی ہستی ہے جو برگزیدہ اور پاک و پاکیزہ ہو تو متعدد مثالیں ہیں جن میں سے بہترین مثال حضرت مریمؑ کی ہے قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے۔

واذ قالت الملٰئکة یٰمریم ان اللہ اصطفٰک وطھرک واصطفٰک علی نساء العالمین

''اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ نے تمہیں برگزیدہ کیا ہے اور تمہیں پاکیزہ بنایا ہے اور تمہیں دنیا کی تمام عورتوں میں برگزیدہ کیا ہے'' (سورہ آل عمران: 42/3)

اگر آپ پیغمبر سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی منتخب اور پاکیزہ ہستی مراد لیں تو حضرت مریم حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ماجدہ کی مثال موجود ہے اور مثالیں بھی موجود ہیں قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے۔

(وضرب اللہ مثلاً للذین امنوا امراۃ فرعون اذ قالت رب ابن لی عندک

ا۔ اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غیر انبیاء پر بھی فرشتے نازل اور ان سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ فرشتوں سے ہم کلام ہونے والی ہستیاں حسب ذیل ہیں:
''نبی: نبی پر وحی نازل ہوتی ہے جو تبلیغِ احکام سے مربوط ہوتی ہے۔ لیکن تبلیغ کا حکم نافذ نہیں ہوتا۔
رسول: رسول پر بھی تبلیغِ احکام سے مربوط وحی نازل ہوتی ہے ساتھ تبلیغ کا حکم بھی نافذ ہوتا ہے۔
محدث: جس سے گفتگو کی جائے۔ یعنی اولیاء اللہ۔ ان سے بھی فرشتے ہمکلام ہوتے ہیں لیکن تبلیغ احکام کے لیے نہیں۔ جیسے مادرِ موسیٰ کو حکم ہوا کہ موسیٰ کو دریا میں ڈال دو۔ اس آیت میں حضرت مریمؑ سے ہمکلام ہونے کے لیے فرشتے نازل ہوئے۔ مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: دوسری بات قابلِ تحقیق یہ ہے کہ فرشتوں کا کلام کرنا خواص نبوت میں سے نہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصین کو فرشتوں کا سلام کرنا مروی ہے۔ (بیان القرآن ۱: ۱۹۴) شیعہ احادیث میں حضرت علی کے بارے میں وارد ہے کہ آپ محدث ہیں۔ (المیزان ۳: ۲۵۴)

بیتاً فی الجنتہ ونجنی من فرعون وعملہ ونجنی من القوم الظالمین)

'' اور اللہ نے مومنین کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال پیش کی ہے جب اس نے دعا کی:
پروردگارا! جنت میں میرے لئے اپنے پاس ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کی حرکت سے بچا اور مجھے ظالموں سے نجات عطا فرما'' (سورہ تحریم: 11/66)

ذرا تصور کیجئے کہ حضرت آسیہؑ اپنے وقت کے طاقتور ترین بادشاہ کی بیوی ہیں اور تمام آسائشوں اور سامان عیش وعشرت کو ٹھکرا کر جنت میں ایک گھر کی دعا مانگ رہی ہیں۔ اسلام میں چار برگزیدہ اور پاک و پاکیزہ (Prophet) خواتین ہیں جو حضرت مریمؑ، حضرت آسیہؑ، حضرت خدیجہؓ الکبریٰ اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ ہیں۔[1]

سوال نمبر 13: آپ نے اپنی گفتگو میں کہا ہے کہ مرد کے لئے تعدد زوجات کی انتہائی حد چار بیویاں ہیں جبکہ حضرت محمدؐ کی گیارہ بیویاں تھیں اور کیا (معاذ اللہ) یہ ان کی شدید نفسانی خواہشات کی علامت نہیں ہے؟''

جواب: بھائی نے سوال پوچھا ہے کہ جب اسلام زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی اجازت دیتا ہے تو حضرت محمدؐ نے کیسے گیارہ شادیاں کیں؟ میں بھائی سے متفق ہوں کہ قرآن زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی بات کرتا ہے۔

فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنیٰ وثلث وربع

'' تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، یا چار چار سے نکاح کرلو۔''
(سورہ نساء: 3/4)

۱۔ جنتی عورتوں میں سب سے افضل حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ، حضرت مریم اور حضرت آسیہ علیہن السلام ہیں۔ (مسند احمد، ۱/۲۹۳۔ مجمع الزوائد ۹/۲۲۳، الصحیحہ للالبانی، نمبر ۱۵۰۸)

لیکن دو اور آیات میں ارشاد رب العزت ہوتا ہے۔

(یا یھا النبی انآ احللنالک ازواجک التی اتیت اجورھن وما ملکت یمینک مما افآء اللہ علیک وبنٰت عمک وبنٰت عمتک وبنٰت خالک وبنٰت خٰلٰتک التی ھاجرن معک وامراۃً مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان ارادالنبی ان یستنکحا خالصتہ لک من دون المومنین ط قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم وما ملکت ایمانھم لکیلا یکون علیک حرج ط وکان اللہ غفوراً رحیماً o لا یحل لک النسآء من بعد ولآ ان تبدل بھن من ازواج ولو اعجبک حسنھن الا ما ملکت یمینک ط وکان اللہ علی کل شئی رقیباً)

'' اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی وہ بیویاں حلال کی ہیں جن کے مہر آپ نے دے دیئے ہیں اور وہ لونڈیاں بھی جو اللہ نے آپ کو عطا کی ہیں نیز آپ کی چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموؤں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ مومنہ عورت جو اپنے آپ کو نبی کے لئے ھبہ کرے اور اگر نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں (یہ اجازت) صرف آپ کے لئے ہے مومنوں کے لئے نہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہم نے مومنوں پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں کیا معین کیا ہے تاکہ آپ پر کوئی حرج نہ آئے۔'' اس کے بعد آپ کیلئے دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ اس بات کی اجازت ہے کہ ان بیویوں کو بدل لیں خواہ ان (دوسری) عورتوں کا حسن آپ کو کتنا ہی پسند ہو سوائے ان (کنیز) عورتوں کے جو آپ کی ملکیت میں ہوں اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔''
(سورہ احزاب: 50,52/33)

قرآن کریم مندرجہ بالا پہلی آیت میں نبی گرامیؐ کو ان تمام بیویوں کی اجازت دیتا ہے اور دوسری آیت میں کسی اور عورت سے شادی کے عدم جواز کو بھی بیان کر رہا ہے لونڈیاں مستثنیٰ ہیں۔ اگر آپ تجزیہ کریں کہ حضرت محمدؐ کو مزید شادیوں اور بیویوں کو ختم کر دینے کی ممانعت کیوں تھی تو قرآن کریم کی ایک اور آیت اس کا جواب

دیتی نظر آتی ہے۔

(النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم ط)

”نبی مومنین کی جانوں پر خود ان سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہے اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔“[ا] (سورہ احزاب: 6/33)

زوجاتؓ النبیؐ (نبیؐ کی بیویاں) امہات المومنینؓ ہیں پس کوئی ان سے مطلقہ یا بیوہ ہونے کی صورت میں شادی نہیں کر سکتا کیونکہ وہ امہات المومنینؓ ہیں۔ پس جب کوئی زوجاتؓ النبیؐ سے شادی نہیں کر سکتا تو نبیؐ بھی انہیں طلاق نہیں دے سکتے۔

اب اگر آپ ختمی مرتبتؐ کی تمام گیارہ شادیوں کا تجزیہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ سب کی سب یا معاشرتی اصلاحات کے لئے تھیں یا سیاسی مقاصد کے لئے۔ یہ جنسی تسکین کے لئے ہرگز نہیں تھیں۔

آپؐ کی پہلی شادی حضرت خدیجہؓ سے ہوئی اس وقت ان کی عمر چالیس برس تھی اور آپؐ 25 برس کے تھے اور حضرت خدیجہؓ دوبار بیوہ ہو چکی تھیں ذرا سوچئے اگر جناب رسالتمآبؐ نفسانی خواہشات کی خاطر شادی کرتے تو خود سے پندرہ برس بڑی عمر کی عورت جو دو بار کی بیوہ بھی ہے سے شادی کیوں کرتے اور پھر یہ نکتہ بھی غور طلب ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں آنحضرتؐ نے دوسری شادی نہیں کی اور جب آنحضرتؐ کا سن مبارک پچاس سال تھا تب حضرت خدیجہؓ کا 65 برس کی عمر میں

ا۔ آیت کے اس جزء میں دو اہم نکات بیان ہوئے ہیں:

ا۔ نبیؐ کی ولایت مطلقہ: یعنی نبیؐ اپنی امت کے ہر فرد سے زیادہ اولیٰ بالتصرف ہیں یعنی جو اختیارات مومنین کو خود اپنے اوپر حاصل نہیں ہیں وہ نبی کو حاصل ہیں قانونی طور پر بھی اور جسمانی لحاظ سے بھی کہ اگر نبیؐ کا حکم ہو تو اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا واجب ہے جبکہ یہ اختیار از خود نہیں ہے۔

ب: ازواجِ نبیؐ مومنین کے لیے قابلِ احترام اور حرمتِ نکاح کے لحاظ سے ماں کی طرح ہیں۔ البتہ نگاہ کرنے اور اولاد سے نکاح کرنے میں ماں کی طرح نہیں ہیں۔

انتقال ہوا پھر 53 اور 56 سال کی عمر میں آنحضرتؐ نے باقی تمام شادیاں کیں۔ اگر آنحضرتؐ (معاذ اللہ) شہوانی خواہشات کے رسیا ہوتے تو جوانی میں شادیاں کرتے۔ سائنس کے بقول انسان جتنا بوڑھا ہوتا جاتا ہے جنسی جذبات اتنے سرد پڑتے جاتے ہیں۔ یہ آپؐ کی ذات والا صفات پر تہمت ہے۔

آپؐ کی صرف دو شادیاں معمول کے مطابق تھیں جو حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کے ساتھ وقوع پذیر ہوئیں۔ باقی تمام شادیاں حالات کا تقاضا تھیں۔ چاہے کوئی معاشرتی اصلاح ہو یا کوئی سیاسی مقصد اور زوجاتؓ النبیؐ میں سے صرف دو کی عمر شادی کے وقت 36 سال سے کم تھی باقی تمام زوجات مطہراتؓ کی شادی کے وقت عمر 36 سے پچاس سال کے درمیان تھی۔

ایسی ہر شادی کا پس منظر بطور ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے مثال کے طور پر حضرت جویریہؓ کی ہی شادی لے لیجئے وہ بنو مصطلق قبیلے سے تھیں جو بہت طاقتور قبیلہ تھا اور اسلام کے ساتھ مخاصمت رکھتا تھا کچھ مدت بعد اسلامی لشکر نے انہیں زیر کرلیا اور پھر جناب رسالتمآبؐ نے حضرت جویریہؓ سے عقد کیا اور اس عقد کے نتیجے میں صحابہ کرامؓ نے یہ کہتے ہوئے کہ ہم آنحضرتؐ کے رشتہ داروں کو کیسے قید رکھ سکتے ہیں بنو مصطلق کے افراد رہا کردیئے اور اس واقعہ کے بعد اس قبیلے کے مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے۔

اسی طرح حضرت میمونہؓ قبیلہ نجد کے سردار کی بیوی کی بہن تھیں اس قبیلے نے اسلامی وفد کے ستر ارکان شہید کئے تھے لیکن رسول اکرمؐ کی حضرت میمونہؓ سے شادی کے بعد اس قبیلے نے مدینہ کو اپنا مرکز اور رسولؐ خدا کو اپنا پیشوا اور قائد مان لیا۔

حضورؐ کی تمام شادیوں کا پس منظر یا سیاسی مقصد تھا یا معاشرتی اصلاح۔ جناب رسالتمآبؐ نے حضرت ام حبیبہؓ سے شادی کی جو مکے کے سردار ابوسفیان کی بیٹی تھیں اس شادی نے فتح مکہ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اسی طرح حضرت صفیہؓ کی مثال ہے آپؓ طاقتور یہودی سردار کی بیٹی تھیں اور اس نکاح کے بعد یہودی مسلمانوں سے کافی بے تکلف ہوگئے تھے آپ نے حضرت عمرؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ سے شادی کی تاکہ صحابہ کرامؓ کے باہمی تعلقات استوار رہیں۔ معاشرتی اصلاح کے طور پر آپ نے حضرت زینبؓ، آنحضرتؐ کی پھوپھی زاد سے نکاح فرمایا اور اس رسم کا خاتمہ فرمایا کہ متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ حضور اکرمؐ کی تمام شادیوں کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ شادیاں سیاسی مقاصد یا معاشرتی اصلاح کے لئے کی گئی ہیں تاکہ قوم کی حالت اور تعلقات بہتر ہوسکیں۔

سوال نمبر 14: تعدد زوجات کا عورت کو کیا فائدہ ہے؟

جواب: بہن نے سوال پوچھا ہے کہ تعدد زوجات کا عورت کو کیا فائدہ ہے؟ مرد کے ایک سے زیادہ شادیاں کرنے سے عورت کو کیا فائدہ ہے؟ یہ حکم عورت کو پاکباز اور پاکیزہ رہنے میں مدد دیتا ہے کیونکہ اگر ہر مرد ایک ہی شادی کرے تو دنیا میں لاکھ عورتیں غیر شادی شدہ رہ جائیں۔ انہیں شوہر نہیں ملے گا اور ان کے پاس ایک ہی راستہ باقی بچتا ہے کہ وہ وقف عام ہو جائیں اور اپنا دامن عفت داغدار کرلیں لہٰذا اسلام نے تعدد زوجات کے ذریعے عورت کی عفت و عصمت کو محفوظ رکھا ہے اور انہیں وقف عام ہونے سے بچایا ہے۔

سوال نمبر 15: کیا اسلام بچہ گود لینے کی اجازت دیتا ہے؟

جواب: بھائی نے سوال پوچھا ہے کہ کیا اسلام میں بچہ گود لینا جائز ہے؟ اگر گود لینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایک غریب بچے کی خوراک، پوشاک اور اقامت الغرض اپنے گھر میں اس کی پرورش کا بندوبست کریں تو اسلام قرآن کریم میں ضرورت مند اور غریب لوگوں کی مدد کی تاکید کرتا ہے حتیٰ کہ آپ اپنے گھر میں اسے

ماں باپ کا پیار دے سکتے ہیں تاہم اسلام بچے کو قانونی طور پر اپنا لینے کے خلاف ہے آپ بچے کو اپنا نام نہیں دے سکتے۔ قانونی طور پر ایسے بچے کی ولدیت حاصل کرنا اسلام میں جائز نہیں۔ کیونکہ کسی بچے کو قانوناً اپنا لینے سے متعدد پیچیدگیاں جنم لے سکتی ہیں۔

۱۔ گود لیا گیا بچہ خواہ لڑکا ہو یا لڑکی اپنی شناخت سے محروم ہو جائے گا۔

۲۔ بے اولاد ہونے کی بناء پر بچہ گود لینے والوں کی بابت بھی کوئی یہ ضمانت نہیں دے سکتا کہ وہ ساری عمر بے اولاد ہی رہیں گے اب اگر خدا انہیں اولاد سے نواز دے تو وہ اپنی حقیقی اولاد کے ساتھ جانبدارانہ سلوک اور رویہ اختیار کریں گے۔

۳۔ اگر آپ کے اپنے بچے اور گود لئے گئے بچے کی صنف باہم مخالف ہے تو وہ ایک ہی گھر میں آزادانہ طور پر نہیں رہ سکتے کیونکہ وہ ایک دوسرے کے خونی رشتے سے بہن بھائی نہیں ہیں۔

۴۔ اگر گود میں لیا گیا بچہ لڑکا ہے اور وہ بالغ ہو جاتا ہے تو گھر کی خواتین کو اس سے پردہ کرنا ہوگا اور اگر وہ لڑکی ہے تو اسے اپنے برائے نام باپ سے پردہ کرنا ہوگا کیونکہ وہ اس کا حقیقی باپ نہیں ہے اسی طرح گود لئے گئے لڑکے کی دلہن کو اپنے برائے نام سسر سے بھی پردہ کرنا ہوگا۔ اور بھی کئی مسائل ہیں۔

۵۔ مزیں برآں اس طرح آپ اپنے وارثوں کو اپنے حقوق سے محروم کرنے کا باعث بنیں گے کیونکہ متوفی کا مال قرآنی احکام وراثت کے مطابق تقسیم ہوگا لہٰذا یا تو متوفی کی اپنی اولاد ہونے کی صورت میں اپنی اولاد کا حق یا اولاد نہ ہونے کی صورت میں دیگر ورثاء کا حق مارا جائے گا جیسے متوفی کی بیوہ کو اولاد ہونے کی صورت میں ملنے والا حصہ اولاد نہ ہونے کی صورت

میں ملنے والے حصے کا آدھا ہے اسی طرح متوفی کی ماں کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں تیسرا حصہ (1/3) ملتا ہے جبکہ اولاد ہونے کی صورت میں چھٹا حصہ (1/6) ملتا ہے لہٰذا اگر آپ بچہ گود لیتے ہیں تو آپ اپنے ورثاء کی حق تلفی کرتے ہیں۔ پس انہی مسائل سے بچنے کے لئے اسلام نے قانونا تبنی (Legal adoption) سے منع فرمایا ہے۔

سوال نمبر 16: آپ نے اپنی گفتگو میں کہا ہے کہ عدت کے دوران شوہر مطلقہ کی کفالت کا ذمہ دار ہے اور عدت کے بعد مطلقہ کے والدین لیکن اگر مطلقہ کے والدین مالی سکت نہ رکھتے ہوں تو مطلقہ کی کفالت کس کی ذمہ داری ہے؟

جواب: بہن نے بہت اچھا سوال پوچھا ہے کہ طلاق کے بعد عدت کے دوران شوہر مطلقہ کی کفالت کا پابند ہے۔ عدت کی مدت تین ماہ یا وضع حمل ہے اور عدت کے بعد جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ باپ یا بھائیوں کا فریضہ ہے کہ اس کی دیکھ بھال کریں۔ بالفرض اگر باپ اور بھائی مطلقہ عورت کی دیکھ بھال سے معذور ہیں تو باقی قریبی رشتہ داروں کا فرض بنتا ہے کہ اس کی دیکھ بھال کریں اور اگر باقی قریبی رشتہ دار یہ فرض ادا نہیں کرتے تو پھر یہ امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ ایسے ادارے اور تنظیمیں تشکیل دیں جو زکوۃ اور دیگر صدقات کے ذریعے ایسی خواتین کی دیکھ بھال کر سکیں اور اگر ایسے ادارے بھی سرگرم عمل نہ ہوں تو پھر ایسی خواتین کی آخری پناہ گاہ اسلامی ریاست ہے۔ یعنی اسلامی ریاست ان کی ذمہ داری اٹھائے گی۔

سوال نمبر 17: اسلام میں عورت اور مرد برابر ہیں تو پھر اسلام عورت کو مرد کے برابر حصہ کیوں نہیں دیتا؟

جواب: اسلام میں مرد اور عورت کو مساوی معاشی حقوق حاصل ہیں تو وراثت میں مرد اور عورت کو برابر حصہ کیوں نہیں ملتا؟ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ عورت کو مرد کے مقابلے میں آدھا حصہ ملتا ہے۔[1]

---

[1] مال کے بارے میں اسلام کا تصور یہ ہے:
۱۔ مالک حقیقی اللہ ہے۔۲۔ جعل اللہ لکم قیما۔ اللہ نے مال کو پورے معاشرے کے نظامِ معیشت کے قیام کا ذریعہ بنایا جس کے بغیر کوئی اُمت اپنا استقلال برقرار نہیں رکھ سکتی اور اقتصادی بدحالی میں کوئی قوم اپنی کمر سیدھی اور سر اُونچا نہیں رکھ سکتی۔۳۔ مال کو اجتماعی ملکیت سے خصوصیت ملکیت (انفرادی) میں منتقل کرنے کے لیے اسلام نے قانون وضع کیے ہیں۔ مثلاً
ا۔ ایجادِ ملکیت: صرف محنت کے ذریعے ہی شخصیت ملکیت میں منتقل ہو سکتی ہے۔
ب۔ انتقالِ ملکیت ہو تو وراثت، تجارت اور ہبہ وغیرہ سے ہو سکتی ہے۔
ج۔ خصوصی ملکیت کے حقوق دینے کے لیے شرط ہے کہ اس سے اجتماعی حقوق متاثر نہ ہوتے ہوں، ورنہ یہ حقوق یا تو کلی طور پر سلب ہوں گے، حدیثِ رسولؐ ہے: لاضرر ولاضرار فی الاسلام (الوسائل ۲۶: ۱۴ باب ان الکافر لا یرث) اسلام کے کسی قانون میں ضرر کے لیے کوئی گنجائش نہیں، یا جزئی طور پر سلب ہوں گے اور پوری اُمت کو ان حقوق وضوابط کی نظارت کرنا ہو گی۔
جاہلیت کے زمانے میں ارث کے تین اسباب ہوا کرتے تھے۔ نسب، منہ بولا بیٹا اور حلیف۔ اسلام نے میراث کے لیے بنیادی طور پر دو اسباب متعین کیے ہیں: نسب اور سبب۔ نسب کے تین طبقے ہیں: ا۔ اولاد اور والدین۔ ب۔ دادا، دادی، بہن، بھائی اور ان کی اولاد۔ ج۔ چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ اور ان کی اولاد سبب کی دو قسمیں ہیں: (ا) زوجیت۔ (ب) ولاء
میراث کے مجملہ قانون: (ا) میراث صرف مردوں کا حق نہیں عورتوں کا بھی ہے۔ ب۔ میراث بہرحال تقسیم ہونی چاہیے خواہ کتنی ہی کم ہو، حتیٰ اگر مرنے والے نے ایک گز کپڑا چھوڑا ہے اور دس وارث ہیں تو اسے بھی دس حصوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔ یہ اور بات کہ ایک وارث دوسرے وارثوں سے ان کا حصہ خرید لے۔ ج۔ وراثت کا قانون ہر قسم کے اموال و املاک پر جاری ہو گا خواہ وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ۔ زرعی ہوں یا صنعتی یا کسی اور صنفِ مال میں شمار ہوتے ہوں۔ (د) میراث کا حق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مورث کوئی مال چھوڑ مرا ہو۔ (ھ) قریب تر رشتہ دار کی موجودگی میں بعید تر میراث نہ پائے گا۔

قرآن سورہ نساء میں اس سوال کا جواب دیتا ہے۔

یوصیکم اللہ فی اولادکم ق للذکر مثل حظ الانثیین ج فان کن نسآءً فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک ج وان کانت واحدۃ فلھا النصف ط ولا بویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد ج فان لم یکن لہ ولدو ورثہ ابوٰہ فلامہ ثلث ج فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس من بعد وصیتہ یوصی بھآ او دین ط...... ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد ط فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیتہ یوصین بھآ او دین ط ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد ج فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بھآ او دین ط

"اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ہدایت فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے، پس اگر لڑکیاں دو سے زائد ہوں تو ترکے کا دو تہائی ان کا حق ہے اور اگر صرف ایک ہی لڑکی ہے تو نصف ترکہ اس کا ہے اور میت کی اولاد ہونے کی صورت میں والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر میت کی اولاد نہ ہو بلکہ صرف ماں باپ اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کو تیسرا حصہ ملے گا۔ پس اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا یہ تقسیم میت کی وصیت پر عمل کرنے اور اس کے قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگی...... اور تمہیں اپنی بیویوں کے ترکے میں سے نصف حصے ملے گا اگر ان کی اولاد نہ ہو اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترک میں سے چوتھائی تمہارا ہوگا۔ یہ تقسیم میت کی وصیت پر عمل کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی اور اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو انہیں تمہارے ترکے میں سے چوتھائی ملے گا اور اگر تمہاری اولاد ہو تو انہیں تمہارے ترکے میں سے آٹھواں حصہ ملے گا۔ یہ تقسیم تمہاری وصیت پر عمل کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی۔" (سورہ النساء: 4/12-11)

المختصر اکثر صورتوں میں عورت کو مرد کے مقابلے میں آدھا حصہ ملتا ہے لیکن تمام صورتوں میں ایسا نہیں ہے مثال کے طور پر اگر میت بے اولاد ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں تو اس کے اخیافی (ماں کی طرف سے) بہن بھائی کو برابر

چھٹا چھٹا حصہ ملے گا۔ اسی طرح اگر میت بے اولاد ہو تو اس کے ماں باپ کو بھی برابر چھٹا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر مرنے والی خاتون بے اولاد ہو تو اس کے شوہر کو نصف، ماں کو تیسرا اور باپ کو چھٹا حصہ ملے گا یعنی بعض صورتوں میں عورت کو مرد کے مقابلے میں دوگنا حصہ ملتا ہے جیسے اس آخری مثال میں ماں کا باپ کے مقابلے میں دوگنا حصہ ہے تاہم میں آپ سے متفق ہوں کہ اکثر صورتوں میں مرد کو عورت کے مقابلے میں دوگنا حصہ ملتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ خاندان کے معاشی امور اور فرائض مرد کے ذمے ہیں اس لئے مرد کے ساتھ ظلم اور ناانصافی نہ ہو اللہ سبحانہ نے عورت کے مقابلے میں مرد کا حصہ زیادہ رکھا ہے بصورت دیگر ہمیں "مردوں کے حقوق" پر بھی ایک لیکچر کا انعقاد کرنا پڑتا۔

اس مثال سے بات واضح ہو جائے گی کہ فرض کریں ایک شخص جہان فانی سے کوچ کر جاتا ہے اس کی جائیداد سے بقیہ تمام حقوق کی ادائیگی کے بعد بچوں کے حصے میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ آتا ہے اس شخص کے دو بچے ہیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔ اسلامی شریعت کے مطابق بیٹا ایک لاکھ اور بیٹی پچاس ہزار روپے کی حقدار ہے لیکن بیٹا ایک لاکھ روپے میں سے بیشتر اپنے خاندان کی کفالت پر خرچ کرے گا کہ یہ اس کا مذہبی فریضہ ہے جبکہ بیٹی اپنے پچاس ہزار میں سے ایک پیسہ بھی کسی پر خرچ کرنے کی پابند نہیں۔

سوال نمبر 18: جب اسلام محل کار میں مردوں اور عورتوں کے میل جول کی اجازت نہیں دیتا تو کیا وہ فرسودہ اور قدامت پرست نہیں؟

جواب: سوال کیا گیا ہے کہ اسلام مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول کے مخالف ہے تو کیا یہ جدت پذیری ہے یا قدامت پرستی؟ اگر آپ جدت پذیری سے

یہ مراد لیتے ہیں کہ عورت جنس بازار بنے، اس سے آزادانہ گھلا ملا جائے اور اس سے ماڈلنگ کرائی جائے تو پھر اسلام فرسودہ اور کہنہ روایات کا علمبردار ہی بھلا۔ مغربی ذرائع ابلاغ کے بقول مغرب نے عورتوں کو زیادہ حقوق دیئے ہیں اور اس نے عورت کا مقام بلند کیا ہے جبکہ درحقیقت مغرب نے عورت کے مقام ومنزلت کو گھٹایا ہے۔ اعداد وشمار کے مطابق امریکہ میں یونیورسٹیوں اور دفاتر میں جانے والی پچاس فیصد عورتیں جبری بدکاری کا شکار ہوتی ہیں اس کی وجہ امریکہ کے دفاتر اور یونیورسٹیوں میں مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل جول اور اختلاط ہے۔

اگر آپ کے نزدیک عورت کا بے آبرو ہوجانا ''جدت پسندی'' ہے تو پھر اسلام ایک فرسودہ اور قدامت پرست مذہب ہے لیکن اگر آپ ایسا نہیں سمجھتے تو پھر اسلام کو فرسودہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

سوال نمبر 19: کیا عورت بطور فضائی میزبان (Air Hostess) کام کرسکتی ہے جبکہ یہ ایک نفیس اور اچھی تنخواہ والی نوکری ہے؟

جواب: میں اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ یہ اچھی تنخواہ والی نوکری ہے لیکن اس کے نفیس اور عمدہ ہونے کو ابھی پرکھ لیتے ہیں۔ فضائی میزبان (Air Hostess) کے انتخاب کا اصل پیمانہ اور مرکزی حوالہ خوبصورتی ہے۔ آپ کبھی بھی بدصورت فضائی میزبان کے مہمان نہیں بنے ہوں گے وہ منتخب ہی اس لئے کی جاتی ہیں کہ وہ جوان اور پرکشش ہیں۔ وہ اسلامی اخلاقیات کے منافی لباس پہننے اور مسافروں کو راغب کرنے کے لئے آرائش وزیبائش کی پابند ہیں۔ انہیں مسافروں کی جو عام طور پر مرد ہوتے ہیں کی اکثر ضرورتوں کو پورا کرنا ہوتا ہے یوں مرد اور عورت بہت نزدیک آجاتے ہیں۔ بعض اوقات مرد مسافر اس سے غیر ضروری طور پر بے تکلف ہونا چاہتے ہیں اور وہ مناسب جواب دینا بھی چاہے تو نہیں دے سکتی کیونکہ اس کی نوکری داؤ پر لگ سکتی ہے۔

اکثر اوقات مسافر کہہ دیتے ہیں۔ براہ مہربانی میرا کرسی بند (Seat Belt) تو باندھ دیجئے۔ اور اس کے پاس سوائے تعمیل کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اور اس طرح صنف مخالف سے بہت قریب ہونے کا موقع میسر آتا ہے۔

بہت سی ہوائی کمپنیاں مسافروں کو شراب بھی پیش کرتی ہیں اسلام میں شراب پیش کرنا حرام ہے پیش کرنے والا مرد ہو خواہ عورت۔ یہی وجہ ہے کہ تمام فضائی میزبان عورتیں ہوتی ہیں اگرچہ ہوائی جہاز میں مرد خدام بھی ہوتے ہیں مگر وہ مسافروں کو شاذ و نادر ہی وقت دیتے ہیں اور زیادہ تر کچن میں وقت گزارتے ہیں ہوائی جہاز میں معاملہ برعکس ہے (مرد باورچی خانے میں اور عورت مردان خانے میں)

یقین کیجئے عورتوں کے بغیر ہوائی کمپنیوں کا گزارہ نہیں حتیٰ کہ سعودی عرب کی ''اسلامی'' ہوائی کمپنیوں میں بھی فضائی میزبانی عورتیں انجام دیتی ہیں اگرچہ وہ سعودی لڑکیاں نہیں ہوتیں غیر ملکی ہوتی ہیں یہ دہرا معیار ہے اور اس کے سوا چارہ بھی نہیں کیونکہ ہوائی کمپنی ایک ایسا کاروبار ہے جس کی طرف مسافروں کو راغب کرنے کے لئے پرکشش خواتین کا وجود ضروری ہے اور آپ ہوائی کمپنیوں کے بعض قواعد و ضوابط جان کر حیران ہوں گے مثال کے طور پر ہندوستانی ہوائی کمپنیاں جیسے ایئر انڈیا کی فضائی میزبانی کی شرط ہے کہ آپ نوکری ملنے کے بعد چار سال تک شادی نہیں کرسکتیں۔ بعض ہوائی کمپنیاں کہتی ہیں کہ حاملہ ہونے کی صورت میں آپ کی نوکری ختم ہوجائے گی اور بعض ہوائی کمپنیوں کے مطابق آپ کو پینتیس برس کی عمر میں سبکدوش (Retired) کردیا جائے گا کیونکہ اب آپ کی کشش ماند پڑنے لگتی ہے۔

کیا اسے آپ عمدہ اور نفیس ملازمت کہتے ہیں؟!!

سوال نمبر 20: قرآن تو مردوں اور عورتوں کے حقوق کی بات کرتا ہے لیکن کیا آج بھی کوئی ہستی (یا نظام) موجود ہے جو جبری شادی کی شکار عورتوں کو اس قید سے آزاد کرا سکے آپ نے ایک آدھ مثال بھی دی ہے لیکن اس طرح عورت کو جبری نکاح کے بندھن سے آزاد کرانے کا واقعہ صدیوں میں ایک آدھ بار ہی ہوا ہوگا کیا آج بھی کوئی ہے جو خواتین کے حقوق پر عملدرآمد اور غصب و پامالی کی صورت میں تلافی کو یقینی بنائے؟

جواب: بہن نے بہت اچھا سوال کیا ہے کہ قرآن و حدیث میں تو خواتین کے حقوق بیان کردیئے گئے ہیں کہ اگر کسی عورت کی زبردستی شادی کردی جائے تو یہ شادی کالعدم قرار دی جاسکتی ہے کیا آج بھی کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو جبری نکاح کو کالعدم قرار دے سکے؟ جی ہاں بالکل ہیں۔ مثال کے طور پر ایران اور سعودی عرب میں ایسا نظام موجود ہے لیکن بدقسمتی سے ہندوستانی حکومت مسلم برادری کو ایسی عدالتوں کی اجازت نہیں دیتی اگرچہ ہندوستان میں مسلم شخصی قانون ہے لیکن تمام حقوق حاصل نہیں ہیں۔ اگر آپ ہندوستانی حکومت سے منظور کراسکیں کہ ہمیں اس قسم کی مجلس یا ادارے کے قیام کی اجازت ہے تو انشاء اللہ ہندوستان میں بھی ایسے حقوق کا دفاع اور غصب حقوق کا ازالہ ممکن ہو جائے گا۔ ہمیں یہاں جزوی حقوق حاصل ہیں کلی نہیں۔

سوال نمبر 21: کیا اسلام مخلوط تعلیم کی اجازت دیتا ہے؟

جواب: بھائی نے سوال پوچھا ہے کہ کیا اسلام میں مخلوط تعلیم جائز ہے؟ کیا لڑکے اور لڑکیاں ایک ہی تعلیمی ادارے، سکول، کالج یا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر سکتے ہیں؟

پہلے سکول میں لڑکے لڑکیوں کے ایک ساتھ تعلیم حاصل کرنے کا جائزہ لیتے ہیں۔

"The World this Week" کی گزشتہ سال آنے والی رپورٹس کے مطابق جن میں برطانیہ کے یک صنفی (Unisex Schools) اور ہمہ صنفی۔ (Coed Schools) سکولوں کا موازناتی جائزہ لیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر یک صنفی سکولوں کا نتیجہ ہمہ صنفی سکولوں کی بہ نسبت بہتر تھا۔ اساتذہ کی رائے میں یک صنفی سکولوں کے طالب علم ہمہ صنفی سکولوں کے طالب علموں کی بہ نسبت زیادہ ذہنی ارتکاز کے حامل ہوتے ہیں اور طالب علموں نے یک صنفی سکولوں کے بجائے ہمہ صنفی سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کو پسند کیا تھا اور آپ اس کی وجہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ رپورٹ یہ بھی بتاتی ہے کہ ہمہ صنفی یا مخلوط سکولوں میں لوگ صنف مخالف کی نظروں میں نمایاں ہونے کو زیادہ وقت دیتے ہیں اور طلباء کم توجہی کی وجہ سے اساتذہ کو بڑے '' خوبصورت '' جواب دیتے ہیں اور وہ پڑھائی کی جگہ Dating کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اس رپورٹ کا آخری نکتہ یہ تھا کہ برطانوی حکومت ملک میں مزید یک صنفی سکولوں کے قیام کے بارے میں سوچ رہی ہے۔

امریکی رپورٹ کے مطابق ہمہ صنفی سکولوں میں لڑکیاں اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بجائے ہم جماعت لڑکوں سے جنس کے فنی پہلو اور طور طریقے زیادہ سیکھتی ہیں۔ ہندوستان میں بھی کم و بیش یہی صورتحال ہے۔

اب کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم کا جائزہ لیتے ہیں وہ تمام باتیں جو

میں نے سکولوں کے بارے میں بتائی ہیں وہ سب کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر زیادہ شدت کے ساتھ بڑھ چڑھ کر پیش آتی ہیں۔

17 مارچ 1980ء کے نیوز ویک میں شائع ہونے والی رپورٹ میں صفحہ نمبر 50 پر لکھا ہے کہ لیکچرار اور پروفیسرز صنف نازک کو بہتر درجے (Better Grade) کا لالچ دے کر ہوس کا نشانہ بننے پر مجبور کرتے ہیں اور یہی کچھ ہندوستان میں ممبئی میں ہو رہا ہے اور جب آپ کو جنسی طور پر ہراساں کیا جارہا ہوتو آپ کی پڑھائی پر توجہ کم ہو جائے گی۔ گزشتہ سال یہاں کتنا افسوسناک واقعہ پیش آیا جسے اخبارات نے شہ سرخی بنایا تھا میں کالج کا نام بھول چکا ہوں کہ جس میں چار یا پانچ ”طالب علموں“ (درواقع درندوں) نے ایک طالبہ کو کالج کی حدود کے اندر دن دہاڑے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔

پرسوں (26 اگست) کے Times of India میں New York Times کی رپورٹ کو نقل کیا گیا ہے کہ امریکہ میں ہمہ صنفی سکولوں اور کالجوں میں جانے والی 25 فیصد خواتین جبری بدکاری کا شکار بنتی ہیں۔

میرا بنیادی سوال یہ ہے کہ آپ اپنے بچوں کو سکول حصول تعلیم کے لئے بھیجتے ہیں یا جنسی طور پر ہراساں ہونے یا جنسی عمل کے اسرار و رموز اور طور طریقے سیکھنے کے لئے؟ میرا آپ کو یہی مشورہ ہے کہ اپنے بچوں کو یک صنفی سکول میں تعلیم دلوائیں۔

سوال نمبر 22: آپ نے فرمایا کہ اوائل اسلام میں بہت سی عالمات موجود تھیں مگر آج کتنی عالمات ...... مفسرات قرآن و شارحات حدیث موجود ہیں اور تسلیمہ نسرین کے حق میں کیوں نہیں بولیں؟

جواب: بے شک عہد نبویؐ میں ایسی خواتین موجود تھیں جو نہ صرف حدیث کی شرح کرتی تھیں بلکہ احادیث کو حفظ بھی کرتی تھیں اور حضرت عائشہؓ نے بنفس نفیس 2210 احادیث روایت کی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ آج کتنی عالمات موجود ہیں؟ بالکل صحیح اعداد وشمار تو نہیں بتائے جاسکتے تاہم بہت ساری عالمات ہیں یہاں ممبئی میں بہت سارے ادارے ہیں جیسے اصلاح البنات اور ندوہ میں دارالعلوم وغیرہ الغرض بہت سارے ادارے ہیں جو عالمات تیار کر رہے ہیں۔ ان کی تعداد سینکڑوں میں ضرور ہوگی۔

سوال کے دوسرے حصے کی طرف آتے ہیں کہ ان میں سے کوئی تسلیمہ نسرین کے حق میں کیوں نہیں بولی؟ لیکن اس سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کے حق میں بولا جانا چاہیے تھا؟ تسلیمہ نسرین سے متعلق سوال کے جواب کے لئے باہر موجود کیسٹ سے رجوع کیا جاسکتا ہے جس میں ممبئی کے صحافیوں کی یونین کا منعقد کردہ وہ مناظرہ موجود ہے جو میرے اور ڈاکٹر ویاس (Dr.Vyas)، فادر پیریا (Father Peirera) اور اشوک شاہانی (Ashok Shahani) جنہوں نے ”لجا“ کا مراٹھی زبان میں ترجمہ کیا ہے کے بیچ ہوا۔ بہت سے لوگوں نے مجھے اس مناظرے سے روکا کہ وہ اس سے سوء استفادہ کریں گے اور حقیقت یہ ہے کہ میں تذبذب میں پڑ گیا تھا اور آخر کار میرے والدین نے میری رہنمائی کی کہ خدا کا نام لے کر آگے بڑھو۔ الحمدللہ خدا کی کمک کی بدولت وہ مناظرہ بہت کامیاب رہا۔ وہ انتہائی کامیاب مناظرہ تھا لیکن ایک اخبار نے بھی اس کی خبر نہیں چھاپی جبکہ Indian Express, Times of India اور Mahanagar کے نمائندے وہاں موجود تھے۔ Nikhil Waghle بذات خود وہاں موجود تھے وہاں UTI اور PTI والے موجود تھے لیکن کسی ایک نے بھی اس کی خبر شائع نہیں کی۔ کیوں؟

کیونکہ میں نے وہ نہیں کہا جو وہ سننا چاہتے تھے اگر میں وہ کچھ کہتا جو وہ سننا چاہتے تھے تو یہ شہ سرخی ہوتی کہ مشہور مسلم سکالر جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک...... لیکن چونکہ میں نے ان کی مرضی کے مطابق باتیں نہیں کیں لہٰذا کسی ایک نے بھی معمولی سی خبر تک نہیں چھاپی۔ مکمل جواب کے لیے کیسٹ باہر موجود ہے۔

سوال نمبر 23: کیا صرف شوہر ہی تین بار طلاق کہہ کر بیوی کو چھوڑ سکتا ہے یا بیوی بھی ایسا کوئی حق رکھتی ہے؟

جواب: بہن کا سوال بنیادی طور پر یہ ہے کہ عورت کو بھی طلاق کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اس لئے اسی سوال کا جواب دیا جارہا ہے ورنہ ''تین طلاق''[۱] خود ایک سوال ہے لیکن یہاں اس کے بارے میں نہیں پوچھا گیا۔

۱۔ ایک اجتماع میں جب ذاکر نائیک نے طلاق کے بارے میں سوال کے بعد جو کچھ کہا تقریباً من وعن پیش خدمت ہے:

بھائی صاحب کا سوال ہے کہ میڈیا تین طلاق کو کافی اُچھال رہا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ مسلمان معاشروں میں تین طرح کی طلاقیں رائج ہیں۔

۱۔ طلاقِ بدعت: طلاق، طلاق، طلاق ایک ساتھ میں ہو جاتی ہے۔

۲۔ طلاقِ حسن: طلاق دو اور ایک ماہ حیض کے لیے رکو پھر طلاق دو پھر رکو اور پھر تیسری طلاق دو۔

۳۔ طلاقِ احسن: یہ بالکل صحیح طریقہ ہے جو قرآن شریف میں مذکور ہے کہ طلاق دو اور تین ماہ رُکو۔ قرآن کی آیت ہے سورۂ بقرہ: ۲/۲۲۸ میں۔ کہ جب بھی آپ طلاق دیں گے تو تین ماہ یا تین حیض کی عدت ہے تو طلاق مکمل ہونے کے لیے تین حیض یا تین ماہ ضروری ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ جو اختلاف اُمت میں ہے اس کی ایک وجہ ہے ایک صحیح حدیث ہے صحیح بخاری کی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت محمدؐ کے دور میں تین طلاق ایک ہی مانی جاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کے پہلے دو سال میں بھی تین طلاق ایک ہی مانی جاتی تھی لیکن اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس سچویشن کو دیکھ کر کہا کہ اگر کوئی شخص تین طلاق دے گا تو تین ہو جائیں گی۔ اس حدیث کی وجہ سے امت میں یہ اختلاف ہے۔ کئی علماء میں اختلاف ہے لیکن اگر آپ قرآن کی روشنی میں پڑھتے ہیں تو قرآن میں طلاق کا ذکر کیا گیا ہے سورۂ بقرہ: ۲/۲۲۸ سے لے کر ۲۴۰ تک اور سورۂ طلاق میں ۶۵:۱ تا ۷۔ جو قرآن مجید میں طلاق کا ذکر ہے اس کے اندر یہ بھی ہے کہ اگر میاں بیوی میں کوئی اختلافِ رائے کوئی جھگڑا ہو جاتا ہے تو سب سے پہلے میاں بیوی بیٹھ کر بات کریں۔ ایسا نہیں ہے کہ بیوی نے نمک زیادہ ڈال دیا اور میاں نے طلاق طلاق طلاق کہہ دیا تو طلاق ہو گئی۔ اگر بیوی نے زیادہ نمک ڈال دیا تو آپ بتا دیں کہ آپ کو کم نمک چاہیے معاملہ سدھر جائے گا۔ بیٹھ کر بات کریں۔ پھر بھی بات نہ بنے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سورۂ نساء ۴:۳۵ میں کہ آپ اپنے بیچ دو حکم مقرر کریں ایک بیوی کی طرف سے ہو ایک شوہر کی طرف سے۔ اور (بقیہ اگلے صفحے پر)

عورت طلاق نہیں دے سکتی کیونکہ طلاق[☆] عربی کا لفظ ہے جسے مرد عورت کو Divorce دیتے وقت استعمال کرتا ہے تاہم عورت خود بھی شادی کے بندھن سے آزاد ہو سکتی ہے۔

اسلام میں علیحدگی کی پانچ صورتیں ہیں۔

ا۔ پہلی صورت یہ ہے کہ میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے علیحدگی عمل میں آئے دونوں یہ کہیں کہ ٹھیک ہے ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ نہیں چل سکتے لہٰذا ہمیں جدا ہو جانا چاہیے۔

(گزشتہ سے پیوستہ) معاملہ کو سلجھا لیں پھر بھی اگر بات نہ بنے تو آپ طلاق دے سکتے ہیں۔ طلاق دیتے ہیں تو اس کی کئی شرائط ہیں کہ حیض کے وقت طلاق مت دو، غصے میں طلاق مت دو، شراب کی حالت میں طلاق مت دو۔ یہ سب غلط ہے ان صورتوں میں طلاق نہیں ہوتی۔

صحیح شرائط کے مطابق دی گئی طلاق میں تین ماہ رکنا چاہیے۔ یہ طلاقِ احسن ہے جو بالکل صحیح طریقہ ہے۔ طلاق دو اور تین ماہ رُکو اور تین ماہ کے اندر اگر آپ رجوع کرنا چاہتے ہیں اپنی بیوی سے تو رجوع ہو سکتا ہے۔ اگر تین ماہ تک آپ سمجھتے ہیں نہیں مجھے میری بیوی سے الگ ہونا ہی چاہیے تو تین ماہ گزرنے کے بعد آپ دونوں میاں بیوی نہیں رہتے آپ الگ ہو جاتے ہیں لیکن اس کے بعد اکثر مسلمان بھی نہیں جانتے کہ قرآن کی آیت کیا کہتی ہے قرآن کریم میں لکھا ہوا ہے: سورۂ بقرہ: ۲/۲۳۰ تا ۲۳۲ میں کہ اگر وہ شخص اپنی پرانی بیوی سے پھر سے شادی کرنا چاہتا ہے تو مت روکیے۔

اگر صحیح طریقے سے طلاقِ احسن واقع ہو چکی ہے اور تین ماہ گزر چکے ہیں مثلاً چھ ماہ بعد شوہر کو احساس ہو کہ جو میں نے کیا ہے غلط کیا ہے اور وہ پھر سے شادی کرنا چاہتا ہے تو وہ آدمی اپنی پرانی بیوی سے پھر سے شادی کر سکتا ہے لیکن نیا نکاح نیا مہر۔ نیا نکاح نیا مہر جو کئی مسلمان نہیں جانتے۔

افسوس کی بات ہے کہ ہم مسلمان قرآن کو ترجمے کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ صحیح حدیث کو (بقیہ اگلے صفحے پر)

☆.....لغت میں طلاق کا معنی چھوڑنا، آزاد کرنا اور بندھن کھولنا ہے۔ کہا جاتا ہے: أطلقت الاسیرُ یعنی میں نے قیدی کو آزاد کر دیا۔ اور اہلِ عرب ناقۃ طالق اس اونٹنی کو کہتے ہیں جسے آزاد چھوڑ دیا گیا ہو اور طلقت تطلیقا کا محاورہ عورت کو نکاح کے بندھن سے آزاد کر دینے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اسلامی شریعت کی اصطلاح میں طلاق وہ علیحدگی ہے جس کے ذریعے مرد نکاح کے رشتے کو ختم کر کے اپنے حقوقِ زوجیت سے دست بردار ہو جاتا ہے۔

۲۔ دوسری صورت میں شوہر اپنی بیوی کو چھوڑنا چاہتا ہے جسے طلاق[1] کہتے ہیں اس صورت میں اسے بیوی کو دیئے گئے تحفے تحائف کے علاوہ ادا شدہ مہر سے بھی دستبردار ہونا پڑتا ہے اور اگر ادا نہیں کیا تو ادا کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ تیسری صورت میں بیوی کی مرضی سے علیحدگی عمل میں آتی ہے۔ میں دہراتا ہوں کہ بیوی کی مرضی سے علیحدگی عمل میں آتی ہے۔ اگر اس نے اپنے نکاح نامے میں یہ شرط رکھی ہو کہ اسے حقِ طلاق حاصل ہے۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ اگر شوہری بیوی سے بدسلوکی کرے یا

(گذشتہ سے پیوستہ) ترجمے کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ اگر ہم قرآن شریف کو صحیح طریقے سے پڑھیں اور صحیح حدیث پر عمل کریں تو یہ غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی اور پھر سے اگر شادی ہوئی تو پھر سے آپ ساتھ ساتھ رہ سکتے ہیں پھر سے کوئی مسئلہ ہو تو پھر سے طلاق دو پھر تین ماہ رُکو پھر سے الگ ہو جاؤ۔ پھر سے آپ چاہیں تو پھر شادی کر لیں۔ تین بار جائز ہے تیسری بار آخری بار ہے اس کے بعد آپ پھر سے شادی نہیں کر سکتے جب تک وہ کسی دوسرے سے شادی نہ کرے لیکن میں نے اپنی زندگی میں ایک بھی شخص ایسا نہیں دیکھا جس نے طلاقِ احسن دی ہو صحیح طریقے سے طلاق دی ہو پھر علیحدہ ہو گئے ہوں پھر نکاح کیا پھر طلاق دی علیحدہ ہو گئے پھر نکاح کیا پھر طلاق دی اور علیحدہ ہو گئے ہوں۔ میں نے اپنی تمام عمر میں پوری دنیا میں ایسے کسی شخص کے بارے میں سنا تک نہیں۔ جس نے صحیح طریقے سے طلاق دی اور بچھڑ گیا پھر شادی کی پھر طلاق دی اور بچھڑ (بقیہ اگلے صفحے پر)

۱۔ عن ابن عمرؓ عن النبیؐ قال :"ابغض الحلال الی اللہ الطلاق" (سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی کراہیۃ الطلاق ۲۱۸۷) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا: تمام حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے۔

شریعت میں مرد کو طلاق کو جو اختیار دیا گیا ہے اسے استعمال کرنے کے لیے ایسے حکیمانہ طریقے بتائے گئے ہیں جن سے حتیٰ الامکان علیحدگی کی نوبت نہیں آتی اگر علیحدگی ہو تو یہ ایسی حالت میں ہو کہ باہمی موافقت کے تمام امکانات ختم ہو چکے ہوں، کیونکہ شریعتِ الٰہی میں طلاق کی گنجائش ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر رکھی گئی ہے۔ فطلقوھن لعدتھن سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق مباح ہے۔ رسولِ اکرمؐ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دی تو وحی کے ذریعے آپ کو رجوع کرنے کا حکم دیا گیا، کیونکہ وہ کثرت سے عبادت کرتی اور روزے رکھا کرتی تھیں۔ متعدد صحابہ کرامؓ سے طلاق دینا ثابت ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اپنی بیویوں کو طلاق دی تھی۔

برابری کی بنیاد پر بیوی کے حقوق ادا نہ کرے تو بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ نکاح کی تنسیخ کے لیے قاضی سے رجوع کرے۔ اسے ''فسخ نکاح'' کہتے ہیں۔ اس صورت میں شوہر کی طرف سے حق مہر کی کلی یا جزوی ادائیگی قاضی کی صوابدید پر منحصر ہے۔

۵۔ آخری صورت ''خلع'' کہلاتی ہے۔ اس میں بیوی شوہر سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ ہر چند اس کا شوہر اس کے حق میں اچھا ہی کیوں نہ ہو اور بیوی کو شوہر سے کوئی شکایت بھی نہ ہو صرف ذاتی وجوہات کی بناء پر بیوی شوہر سے علیحدگی کا مطالبہ کر سکتی ہے مثلاً وہ شوہر کو پسند نہ کرتی ہو۔

بدقسمتی سے بہت کم لوگ عورت کو حاصل حقِ علیحدگی کی بات کرتے ہیں۔ کچھ علماء ان پانچ اقسام کی دو یا تین اقسام میں درجہ بندی کرتے ہیں لیکن وسیع تناظر میں پانچ صورتیں ہی بنتی ہیں۔

(گذشتہ سے پیوستہ) گیا پھر سے شادی کی اور پھر بچھڑ گیا اور اب پھر شادی کرنا چاہتا ہو۔

اگر آپ صحیح طریقے سے قرآن پر عمل کریں گے تو نوبت آئے گی ہی نہیں اور کچھ لوگ جنہوں نے اسلام کو مذاق بنایا اور کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے تین طلاق دے دی ہیں تو اب حلالہ کرو۔ قرآن و حدیث بتاتی ہے کہ ایک ساتھ تین طلاق دینا ایک ہی ہے۔ حضرت محمدؐ کے زمانے میں تین طلاق ایک ہی تھی حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں تین طلاق ایک ہی تھی۔ حضرت عمرؓ کے دور میں لوگوں کا کہنا ہے کہ تین طلاق تین ہو گئی تھیں۔

کئی علماء کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے فتوٰی سے رجوع کیا ہے اور انہیں اپنے فتویٰ پر افسوس تھا اور کئی لوگ کہتے ہیں کہ نہیں ان کا فتویٰ صحیح تھا اس میں اُمت کا اختلاف ہے لیکن قرآن کی روشنی میں دیکھیں تو تین طلاق ایک ساتھ میں ایک ہی ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں انہوں نے کہا تھا صحیح بخاری کی صحیح حدیث ہے ہم اسے غلط نہیں کہہ سکتے۔ لیکن علماء یہ کہتے ہیں مثال کے طور پر شیخ ابن تیمیہ کہ حضرت عمرؓ حضرت محمدؐ نے جو کہا، اس کے اوپر نہیں ہیں۔ اس لیے ہمیں قرآن اور اللہ کے رسولؐ کی بات ماننی چاہیے اس معاملے میں حضرت عمرؓ نے رجوع کیا اس لیے تین طلاق بھی ایک ہی ہوتی ہے تین نہیں ہوتی اس میں امت کا اختلاف اسی لیے ہے کہ ہم نے قرآن پڑھا ہی نہیں۔ ہم اگر قرآن پڑھیں گے صحیح طریقے سے اور جانیں کئی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ طلاق کے (بقیہ اگلے صفحے پر)

سوال 24۔عورت کو مسجد میں جانے کی اجازت کیوں نہیں ہے؟

جواب : سوال پوچھا گیا ہے کہ عورت کو مسجد میں جانے کی اجازت کیوں نہیں ہے؟ قرآن اور صحیح حدیث میں ایسی کوئی عبارت موجود نہیں جس میں عورت کو مسجد جانے سے روکا گیا ہو۔ کچھ لوگ ایک خاص حدیث کا حوالہ دیتے ہیں کہ ختمی مرتبتؐ کا ارشادِ پاک ہے کہ عورت کا مسجد کے بجائے گھر میں نماز ادا کرنا بہتر ہے۔ اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ گھر میں بھی اندرونی کمرے میں نماز پڑھے۔ وہ لوگ صرف ایک حدیث پر تکیہ کرتے ہیں اور باقی مآخذ ؒ ومنابع کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔

(گزشتہ سے پیوستہ) لیے تین بار طلاق بولنا ضروری ہے اگر تین بار نہیں بولیں گے تو طلاق ہوتی ہی نہیں۔ وہ ان کی نادانی ہے وہ ان کی جہالت ہے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے کہ میڈیا اس معاملے کو اُچھال رہا ہے۔ہم مسلمانوں کو صحیح طریقہ طلاق کو عام کرنا چاہیے جو کہ طلاقِ احسن ہے اور یہ بتانا چاہیے کہ کس بنیاد پر طلاق دی جا سکتی ہے، کب دی جا سکتی ہے اور کیسے موقع پر دی جا سکتی ہے۔ دینا چاہیے یا نہیں یہ سب اگر ہم مسلمان عام کریں گے تو ان شاء اللہ امت سے یہ اختلاف دور ہو جائے گا اور میڈیا اسے نہیں اُچھال سکے گا۔

۵۱۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ''لوگ مسجد قبا میں فجر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر اعلان کیا: رات رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا اور کعبہ کی جانب رُخ کرنے کا حکم دیا گیا تو کعبہ کی طرف رُخ کر لیجئے۔ لوگوں کا رُخ شام کی طرف تھا، کعبہ کی طرف گھوم گئے۔ (صحیح بخاری: کتاب الصلوٰۃ۔ باب ماجاء فی القلبۃ۔ ج۲۔ ص۵۲) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: رُخ پھیرنے کی کیفیت ابن ابی حاتم کے نزدیک حضرت ثویلہ بنت اسلم کی حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں اور مرد عورتوں کی جگہ آ گئے اور ہم نے بقیہ دو رکعتیں خانہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے پڑھیں۔ (فتح الباری: ج۲، ص۵۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اپنی خواتین کو مسجد آنے سے مت روکو، اگر وہ تم سے اس کی اجازت طلب کریں۔'' اور ایک اور روایت میں ہے کہ عورتوں کو مسجدوں سے اپنا حق حاصل کرنے سے مت روکو۔

بلال بن عبداللہ نے کہا: خدا کی قسم، ہم تو انہیں ضرور روکیں گے۔ راوی کہتے ہیں حضرت عبداللہؓ ان کی جانب مُڑے اور انہیں اتنا ڈانٹا کہ انہیں کبھی کسی کو اس طرح ڈانٹتے نہیں دیکھا تھا اور فرمایا: (بقیہ اگلے صفحے پر)

ہمیں اس حدیث کے سیاق و سباق کو بھی مدنظر رکھنا ہو گا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب آپ مسجد میں باجماعت نماز ادا کریں تو آپ کو ستائیس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔ تو ایک خاتون نے آنخضرتؐ سے سوال کیا کہ ہمارے دودھ پیتے بچے ہیں، گھر کا کام کاج کرنا ہوتا ہے ہم کیسے مسجد جا سکتی ہیں؟ اس کے جواب میں آنخضرت نے ارشاد فرمایا کہ عورت کے لیے مسجد کے بجائے گھر اور باقی گھر کے بجائے اندرونی کمرے میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ اگر عورت کا شیرخوار بچہ یا کوئی اور مشکل ہو تو اسے وہی ثواب ملے گا۔

متعدد احادیث اس بات پر شاہد ہیں کہ عورتوں کو مساجد میں آنے سے کبھی بھی نہیں روکا گیا۔ ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ کنیزانِ خدا یعنی عورتوں کو مساجد میں آنے سے مت روکو۔ ایک اور حدیث کہتی ہے کہ رسولِ خداؐ نے شوہروں کو تاکید کی ہے کہ اگر تمہاری بیویاں مساجد جانا چاہیں تو انہیں مت روکو۔

اور بھی متعدد احادیث ہیں۔ میں اس وقت تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ اسلام بہرحال عورت کو مسجد جانے کی اجازت دیتا ہے لیکن وہاں پر عورتوں کے لیے الگ اور برابر سہولتیں دستیاب ہونی چاہئیں۔ ہم صنفی اختلاط کے قائل نہیں ہیں۔ ہم اس

(گزشتہ سے پیوستہ) میں تمہیں رسول اللہ کی حدیث بتا رہا ہوں اور تم کہتے ہو! خدا کی قسم ہم انہیں ضرور روکیں گے۔ (مسلم شریف: کتاب الصلوۃ۔باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیه فتنۃ۔ ج۲ ص۳۲، ۳۳)

.....حضرت حفصہؓ آگے بیان کرتی ہیں کہ ''جب اُمِ سلمہؓ تشریف لائیں تو میں نے وضاحت چاہنے کی غرض سے ان سے پوچھا۔ ''کیا آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنا؟'' اُمِ سلمہؓ نے جواب دیا۔ ''ہاں یقیناً میں نے سنا کہ آپؐ نے فرمایا ''تمام لڑکیاں، نوجوان حتیٰ کہ حائضہ خواتین اپنے ایامِ حیض کے دوران بھی عید کے اجتماع میں شرکت کریں تاکہ اسلام کی برکات اور اسلام کی معاشرتی قوت کا مظاہرہ دیکھ سکیں۔ تاہم حائضہ خواتین نماز کے دوران ایک طرف علیحدہ ہو جائیں۔'' حضرت حفصہؓ نے پوچھا۔ ''کیا حائضہ خواتین بھی عیدگاہ جا سکتی ہیں؟'' اُمِ سلمہؓ نے کہا۔ ''کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ حج کے موقع پر میدانِ عرفات میں خواتین ایسی ہی حالت میں خطبہ سنتی ہیں۔ (بخاری) (بحوالہ عورت معاشرہ اور ریاست: ڈاکٹر حسن ترابی ترجمہ لطفی نازلی)

کے قائل کیوں نہیں؟ جیسا کہ پہلے بھی پوچھا جا چکا ہے۔ اگر ہم مرد و زن کے اختلاط کا موقع فراہم کریں تو جیسا دیگر مذاہب کے مذہبی مقامات پر ہوتا ہے لوگ عبادت کے لیے کم اور چھیڑ چھاڑ اور نظربازی کے لیے زیادہ مساجد کا رُخ کریں گے۔ لہٰذا اسلام مرد و زن کے اختلاط کا حامی نہیں۔

مساجد میں مردوں اور عورتوں کے داخلی اور خارجی راستے، وضو و طہارت کے مقامات اور نماز کے لیے صف بندیاں الگ الگ ہونی چاہئیں۔ عورتوں کو نماز میں مردوں کے آگے نہیں کھڑا ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر عورتیں مردوں کے سامنے کھڑی ہوں گی تو مردوں کی نماز سے توجہ ہٹنا فطری ہے۔ نماز میں ہم کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں جبکہ ڈاکٹروں کے بقول عورت کی جسمانی حرارت مرد سے ایک درجہ زیادہ ہوتی ہے۔ اگر آپ ایک عورت کے ساتھ کھڑے ہوں تو آپ نرمی و گرمی کے لطیف احساس سے ضرور دوچار ہوں گے اور آپ خدا کے ذکر کے بجائے عورت کی فکر میں پڑ جائیں گے۔ اسی لیے نماز میں عورتوں کو پیچھے کھڑے ہونے کا حکم ہے۔[1]

آپ سعودی عرب (اور ایران) میں جا کر دیکھیں۔ عورتیں مساجد میں نماز پڑھتی ہیں۔ امریکہ اور لندن میں بھی عورتیں مساجد میں جاتی ہیں۔ صرف ہندوستان اور اس کے قرب و جوار میں چند ممالک ہیں جہاں عورتوں کا مساجد میں جانا ممنوع ہے۔ حرمِ پاک اور مسجدِ نبویؐ میں عورتوں کو داخل ہونے کی اجازت ہے۔ الحمدللہ ہندوستان میں حتیٰ کہ بمبئی میں بعض مساجد میں عورتوں کو نمازِ جماعت میں شرکت کی اجازت دے دی گئی ہے اُمید ہے باقی مساجد بھی ان مسجدوں کی تقلید کریں گی۔

۱۔ مسجد میں خواتین کی آمد کے کچھ آداب ہیں۔ بخاری و مسلم کی احادیث میں ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ چنانچہ مسجد میں جاتے وقت خوشبو کا استعمال نہ کرنے، مردوں کے پیچھے خواتین کی صف بنانے، کسی غلطی کے وقت صرف ہاتھ کی تھپتھپاہٹ پر اکتفا کرنے اور نماز کے بعد مسجد سے باہر نکلنے کا موقع پہلے خواتین کو دیے جانے وغیرہ آداب کا تذکرہ احادیث میں مذکور ہے۔

الحمدللہ رب العالمین

سوال ۲۵: مجھے اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن پر اعتراض ہے کہ عورتوں کے حقوق کے عنوان سے منعقدہ اس تقریب میں اسٹیج پر ایک بھی عورت موجود نہیں۔ کیوں اسٹیج پر صرف مَردوں کا گروہ تشکیل دیا گیا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ اگر یہ تقریب ہم خواتین سامعات کو مطمئن نہ کر سکے تو پھر یہ تقریب لغو اور عبث ہے؟

جواب: بہن نے سوال پوچھا ہے کہ اس تقریب میں اسٹیج پر کوئی خاتون کیوں نہیں موجود؟ اس لیے کہ آج کوئی خاتون مقررہ نہیں ہے آئی آر ایف میں جمعے کے دن خواتین کا پروگرام ہوتا ہے جس میں خواتین واعظات وعظ دیتی ہیں۔ آج یہاں مجھے خطاب کرنا تھا اور میں ایک مرد ہوں الحمدللہ۔ عورت نہیں ہوں۔ جسٹس ایم ایم قاضی اور رابطہ کار (Coordinator) بھی مرد ہیں۔ یہاں ایسے پروگرام منعقد ہوتے ہیں جن میں واعظات وعظ دیتی ہیں۔ تب یہاں مہمانِ خصوصی اور دیگر شخصیات بھی عورتیں ہوتی ہیں۔ ان شاء اللہ اب جب ایسا پروگرام ہوا ہم آپ کو دعوت دیں گے۔

سوال ۲۶: کیا خاوند کا دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے؟

جواب: خاوند کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لے کیونکہ قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی صرف اور صرف ایک شرط ہے اور وہ بیویوں کے مابین عدل و انصاف کا قیام ہے۔ البتہ شوہر کا پہلی بیوی سے اجازت لینا بہتر ہے۔ شوہر کو چاہیے کہ وہ پہلی بیوی کو مطلع کرے کہ وہ ایک اور شادی کر رہا ہے کیونکہ اسلام کہتا ہے کہ بیویوں کے

ساتھ عدل و انصاف کرو۔ اب اگر شوہر پہلی بیوی سے اجازت لے کر دوسری شادی کرتا ہے تو فطری طور پر شوہر کا دونوں بیویوں کے ساتھ تعلق زیادہ خوشگوار اور بااعتماد ہو گا۔ لیکن یہ اجازت لینا لازمی نہیں ہے سوائے اس ایک صورت کے کہ بیوی نے نکاح نامے میں یہ شرط رکھی ہو کہ میں نہیں چاہتی کہ آپ میری موجودگی میں دوسری شادی کریں۔ اس صورت میں شوہر کے لیے دوسری شادی سے قبل بیوی سے اجازت لینا ضروری ہو جائے گا۔ بصورتِ دیگر شوہر پر کسی بھی صورت میں اجازت لینا ضروری نہیں لیکن بہتر ضرور ہے۔

سوال ۲۷: اگر صنفی اختلاط (مردوں اور عورتوں کا میل جول) جائز نہیں ہے تو ماضی میں جنگوں میں اس کی اجازت کیوں دی گئی؟

جواب : اسلام میں صنفی اختلاط جائز نہیں تو جنگوں میں مرد و زن شانہ بشانہ کیسے ہو گئے؟ اگر آپ نے توجہ سے میرا لیکچر سنا ہوتا تو آپ کو یاد ہونا چاہیے کہ میں نے بتایا تھا کہ حتیٰ میدانِ جنگ میں بھی وہ حجاب کی پاسداری کرتی تھیں۔ اسلام میدانِ جنگ میں کسی حد تک تخفیف کا روادار ہے۔ اگر آپ صحیح بخاری کا مطالعہ کریں تو اس میں آپ کو ملے گا کہ عورتوں کے پاؤں نظر آ رہے تھے جبکہ عام حالات میں یہ پوشیدہ ہوتے ہیں۔ پس اسلام جنگ جیسی ہنگامی حالت میں کسی حد تک نرمی کا قائل ہے لیکن وہاں بھی آزادانہ اختلاط نہیں تھا۔ جیسا کہ امریکی فوج میں نظر آتا ہے بلکہ وہ اسلامی لباس کے ساتھ ساتھ اسلامی اخلاقیات کی بھی پاسداری کرتی تھیں۔

سوال ۲۸: ہمارے آج کے عہد کو فلموں، گانوں، ناولوں، رسالوں اور مخلوط نظامِ تعلیم نے جنسی بے راہ روی کا دور بنا دیا ہے کیا ان حالات میں ہمیں اپنی اولاد خصوصاً بیٹیوں

کو مرضی کی شادی کی اجازت دے دینی چاہیے؟

جواب : بھائی نے سوال پوچھا ہے کہ آج کی مادی علوم وفنون اور صنعت وحرفت کی دنیا میں جہاں جنس (Sex) کے بارے میں لاتعداد فلمیں وغیرہ دستیاب ہیں، اولاد کو ان کی اپنی مرضیوں کے مطابق شادی کی اجازت دینا بہتر نہیں ہے؟

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ والدین اولاد کی بہتر رہنمائی کر سکتے ہیں۔ ماں باپ بیٹی کی شادی کے معاملے میں راہ نمائی کر سکتے ہیں، مجبور نہیں۔ کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ ماں باپ ہمیشہ حق پر ہوتے ہیں لہٰذا ماں باپ اولاد کی رہنمائی کر سکتے ہیں زبردستی نہیں کیونکہ شوہر کے ساتھ زندگی بہرحال بیٹی نے گزارنی ہے ماں باپ نے نہیں۔

سوال ۲۹: مسلم پرسنل لاء (اسلامی شخصی قانون) کے مطابق صرف باپ ہی بچوں کا سرپرست ہے۔ کیوں؟

جواب : بہن نے سوال اُٹھایا ہے کہ اسلامی شخصی قانون کے مطابق صرف باپ ہی بچوں کا سرپرست کیوں ہوتا ہے؟

بہن ایسا نہیں ہے۔ اسلامی شریعت کے مطابق بچہ ابتدائی مراحل میں تقریباً سات سال تک ماں کی سرپرستی میں ہوتا ہے کیونکہ ابتدائی مراحل میں ماں کی ذمہ داری باپ سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد باپ کی سرپرستی میں آ جاتا ہے اور اس کے بعد بچہ بالغ و عاقل ہو جاتا ہے اور وہ اپنی مرضی سے جس کے ساتھ رہنا چاہے رہ سکتا ہے۔ البتہ اس عرصے میں قطعِ نظر اس کے کہ وہ باپ کے ساتھ رہ رہا ہے یا ماں کے، اسلام اسے مکمل اجازت دیتا ہے کہ وہ والدین میں سے جس سے چاہے مل سکتا ہے۔

الحمدللہ رب العالمین